مرکزی کتب خانہ پبلیکیشنز

نو ترمیم

کتاب الصلوٰۃ

قدوری

الشرح الضروری من فقہ القدوری

فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری کا کتاب الصلوٰۃ

مکمل ترجمہ اور شرح کیساتھ

اسلامیات بی اے اور مسائل نماز کی تعلیم عام کیلیے دلائل و شواہد سے مزین

— از —

پروفیسر علامہ خالد محمود ایم۔ اے

علمی کتابخانہ • اردو بازار لاہور

منظور پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت :۔ -/۱۰ روپے

مرکزی کتب خانہ پبلیکیشنز

نو ترمیم

کتاب الصلوٰۃ

قدوری

الشرح الضروری من فقہ القدوری

فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری کا کتاب الصلوٰۃ

مکمل ترجمہ اور شرح کیساتھ

اسلامیات بی اے اور مسائل نماز کی تعلیم عام کیلئے دلائل و شواہد سے مزین

— از —

پروفیسر علامہ خالد محمود ایم اے

علمی کتاب خانہ • اردو بازار لاہور

فہرست مطالب قدوری و فوائد شرح ضروری

فقہ کی ضرورت

حامداً ومصلیاً ومبسملاً۔

احکام شریعت دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا حکم قرآن وحدیث میں پوری صراحت سے مذکور ہے اور دوسرے وہ جن کا قرآن وحدیث میں کوئی صراحت نہیں ایسے موقعوں پر مسائل منصوصہ (جو نص سے ثابت ہیں) کا حکم مسائل غیر منصوصہ (جو واضح طور پر مذکور نہیں) پر اجتہاداً منطبق کیا جاتا ہے اجتہاد کی تعریف علمائے اصول نے یہ کی ہے۔

تَعدِیَۃُ الحکم من الاصل الی الفرع۔ کسی حکم کو اصل سے فروع تک لے جانا۔

فقہاء کرام قرآن وحدیث کی نصوص پر غور وفکر کرکے غیر منصوص مسائل کا حکم دریافت کرتے ہیں اور مسائل اجتہادیہ پر عمل کرنے کی راہیں کھولتے ہیں جن آئمہ کرام کو قرآن وحدیث پر پوری نظر کے ساتھ یہ قوت استنباط اور ملکہ اجتہاد حاصل ہوا انہیں مجتہد کہا جاتا ہے۔

فقہ کے معنی سمجھ اور دانش کے ہیں۔ جن علمائے امت کو علم شریعت میں سمجھ اور دانش کا یہ درجہ حاصل ہو کہ قرآن وحدیث سے مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرسکیں یا کسی مجتہد کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں وہ جزئیات (علیحدہ علیحدہ جزئی مسائل) کا استخراج کرسکیں انہیں فقہاء JURIST کہا جاتا ہے۔ علم شریعت کے یہ وہ امین ہیں جن کی پیروی سے غیر مجتہد کو چارہ نہیں۔ قرآن وحدیث میں شریعت کی اس سمجھ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طَائِفَۃٌ لیتفقّھوا فی الدین۔ (پ ۱۱ توبہ)

ایسا کیوں نہیں کہ ہر گروہ سے کچھ ایسے لوگ نکل آیا کریں جو دین میں تفقہ (علم و دانش) حاصل کرتے رہیں۔

سپین کے مشہور فاضل علامہ قرطبیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

فی ھٰذا ایجاب التفقہ فی الکتاب والسنۃ۔

اس آیت کو قرآن وحدیث میں تفقہ کرنے (اصول کی روشنی میں غور کرنے) کو واجب قرار دیا ہے۔

آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہیں اسے دین میں فقیہ بنا دیتے ہیں۔

جو راویانِ حدیث حضور اکرمؐ کے ارشادات کی حفاظت کریں وہ "حامل فقہ" تو ہو سکتے ہیں لیکن بدون تفقہ اور اجتہاد کے ان محدثین کو فقہا نہیں کہتے۔ حضور اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

رب حامل فقہ غیر فقیہ (مشکوٰۃ ص۳۵)

کئی ایسے لوگ ہیں جو روایات کے تو حافظ ہوتے ہیں لیکن فقیہ نہیں ہوتے۔

امام ترمذیؒ فہم حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث ۔ جامع ترمذی جلد۱ ص۲۰۲

فقہ جاننے والے ہی احادیث کے معانی کو زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

خلاصہ اینکہ فقہ اسلام کا وہ ذخیرہ علم و دانش ہے جس کے اعتماد پر اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات قرار پاتا ہے اور اسی کے سہارے شریعت اسلام ہر ضرورت کا حل اور ہر سوال کا جواب پیش کرتی ہے اگر فقہ کو نظر کر دیا جائے تو مسائل غیر منصوصہ (جن کا حکم واضح نہیں) کے باب میں اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ اس تیسرے ماخذ کی منظوری APPROVAL خود آنحضرتؐ سے ثابت ہے

حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن کے والی ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان سے سوال کیا کہ وہاں کس طرح فیصلے کروگے۔ حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ "قرآن حدیث اور ان کے بعد اپنے اجتہاد سے"۔ حضرت معاذؓ نے اس تیسرے ماخذ کو ان الفاظ میں بیان کیا جسے آنحضرتؐ نے منظور فرمایا۔

اَجْتَہِدُ رائی ۔ (مشکوٰۃ ص۳۲۴)

میں اپنے صوابدید سے اجتہاد کروں گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث میں اجتہاد کرنا اور رائے رکھنا کوئی عیب نہیں عیب وہ رائے ہے جو قرآن و حدیث کے مقابلے میں ہو۔ آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ عَرَضَ لَہٗ منکم قضاءٌ بعد الیوم فَلْیَقْضِ بما فی کتاب اللہ فان جاءہٗ امرٌ لیس فی کتاب اللہ فلیقض بما قضی بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فان جاءہ امرٌ لیس فی کتاب اللہ ولا قضی بہ نبیہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فلیقض بما قضی بہ الصالحون فان جاءہ امرٌ

جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو آنحضرتؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر بزرگوں کے فیصلے کو لیا جائے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو نہ تو کتاب و سنت میں

ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ولا قضى به الصالحون فليجتهد رايه (سنن نسائی جلد۲ صفحہ ۲۶۰)	نہ اور نہ بزرگوں کے فیصلے میں میسر آئے تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا جائے ۔

حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کو جو خط لکھا تھا اس میں بھی احکام کے ماخذ اسی طرح ذکر فرمائے ۔ (کتاب آداب القضاۃ النسائی)

حضرت ابن عباسؓ کتاب و سنت کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے فتویٰ دیتے تھے ۔ (منہاج السنۃ ص۲۱۳ ج۳)

اور اگر وہاں بھی مسئلہ نہ ملتا تو پھر اجتہاد کرتے (سنن دارمی ص۳۲ مطبع نظامی)

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کے علاوہ شریعت کا ایک اور ماخذ بھی ہے جو اجماع و اجتہاد ہے کتاب و سنت کے اصولوں پر مبنی ہونے کے لحاظ سے یہ بھی ان کے ساتھ ہے اسی لئے اسے فریضۂ عادلہ بھی کہتے ہیں کہ یہ درجہ ماخذ بھی قرآن و سنت کے برابر معتبر ہے حضورؐ فرماتے ہیں :۔

العلم ثلثة اية محكمة اوسنة قائمة او فريضة عادلة فما وراء بعد ذالك فهو فضل ۔ سنن ابن ماجه ص۶	علم تین ہیں آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضۂ عادلہ، ان کے سوا جو کچھ ہے ، زائد ہے ۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے کہ اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس میں ہمارے پاس کوئی واضح امر و نہی نہ ہو تو ہم کیا کریں ۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

شاوروا الفقهاء والعابدين (رواه الطبرانی) (موائد العوائد نواب صدیق حسن خان مرحوم ص۱۲۳)	فقہا اور نیک لوگوں سے مشاورت کر لیا کرو

جو لوگ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد و استخراج کی اہلیت نہ رکھتے ہوں ۔ ان کے لئے یہی ہے کہ وہ فقہا کرام پر اعتماد رکھتے ہوں کہ وہ قرآن و حدیث کے اصولوں کے ماتحت مسئلہ بتا رہے ہیں ۔ ان کی پیروی کر لیا کریں ۔ دلیل پر نظر صرف اس شخص کا کام ہے جو اجتہاد کا اہل ہو اور استخراج کی قابلیت رکھتا ہو ۔ اس پیروی کو تقلید کہتے ہیں ۔ اصول کی کتاب نامی شرح حسامی میں ہے ۔

اَلتَّقْلِيْدُ اتباع الغير على ظنه انه محق بلا نظر في الدليل (شرح حسامی ص۱ مجتبائی)

(ترجمہ) تقلید دوسرے کی اس پیروی کو کہتے ہیں جس میں اعتماداً اس کی بات مان لی جائے اور دلیل سے تعرض نہ کیا جائے۔ آنحضرتؐ کی امت میں ایسے بڑے بڑے مجتہد چار گزرے ہیں جن پر امت نے مسائل غیر منصوصہ میں پورا اعتماد کیا ہے اور ان کی فقہ ان کے علم و تقوی کے اعتماد پر لائق تقلید سمجھی گئی ہے۔ وہ چار ائمہ کرام یہ ہیں۔

۱ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ (۲) حضرت امام مالکؒ (۳) حضرت امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ (۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۰ھ

حضرت امام اعظمؒ کی فقہ، فقہ حنفی کہلاتی ہے۔ آپ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی مجتہد تھے مگر وہ زیادہ تر حضرت امام کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہیں انہیں مجتہد منتسب کہتے ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کو شیخین کہتے ہیں حضرت امام اور امام محمد کو طرفین کہا جاتا ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ صاحبین کہلاتے ہیں۔ فقہ حنفی کی تدوین اور نشر و اشاعت حضرت امام کے انہی شاگردوں سے تکمیل پذیر ہوئی۔ فقہ حنفی کی جملہ کتابیں گو اپنے اپنے مصنفین کی ہی تفریعات اور ترجیحات پر مشتمل ہوں۔ حضرت امام اعظمؒ کے اصولی انتساب سے سب فقہ حنفی کہلاتی ہیں۔ علمائے متاخرین ان میں رداً اور قبولاً بحث کرنے کے مجاز ہیں۔ مگر اصولی پابندی سب مقلدین پر لازم ہے۔

فقہ حنفی گو عنوانی طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے مگر اصولی لحاظ سے یہ وہی علم دین ہے جو قرآن و حدیث کی نصوص میں غیر منصوص انداز میں لپٹا ہوا ہے۔ فقہاء کرام مسئلے کی ایجاد نہیں کرتے محض اسے دریافت کرتے ہیں۔ اسی دریافت کو استخراج اور شرعی قیاس کہتے ہیں اور کبھی اس قیاس کو دینی رائے بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ دین میں ایسی رائے قائم کرنا بڑا اونچا مقام ہے اور یہ امام اور مجتہد کا ہی کام ہے۔ رائے مذموم وہ ہے جو کتاب و سنت پر مبنی نہ ہو جو رائے فقہ کہلاتی ہے وہ محمود و مقبول ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو جو خط لکھا تھا اس میں آپ نے انہیں اسی قیاس کی طرف توجہ دلائی تھی۔

الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة اعرف الاشباه والامثال ثم قس الامور عند ذالك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى۔ (دار قطنی جلد ۲ ص۵۱۳)

حضرت فاروق اعظمؓ یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ جو مسائل کتاب و سنت میں صریح طور پر نہیں ملتے۔ ان کے اشباہ و امثال کو پہچاننا چاہئے اور ان پر ان غیر مخصوص مسائل کو قیاس کرنا چاہئے اور اس رائے پر عمل کرنا چاہئے جو اشبہ بالحق ہو یعنی نصوص شریعت کے زیادہ قریب ہو

ہو اس روایت کو امام بیہقیؒ نے بھی معرفۃ السنن الآثار میں روایت کیا ہے ۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں ۔

اَنْزَلَ اللہ کتابہ و ترک فیہ موضعًا لسنۃ نبیہ و سنّ نبیہ السنن و ترک فیہ موضعًا للرای والقیاس ۔ (زیلعی جلد ۴ صفحہ ۶۳ مصر)	اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبیؐ کی سنت کے لئے جگہ رہنے دی اور حضور اکرمؐ نے سنن بیان فرمائیں اور ان میں رائے اور قیاس کے لئے گنجائش رہنے دی ۔

فقہ حنفی کی تاریخ

فقہ حنفی کی تاریخ حقائق مذکورہ کی روشنی میں حضور اکرمؐ کے مابعد اعیان صحابہؓ کے اجتہادات سے شروع ہوتی ہے ۔ حضرت عمرؓ کی سرپرستی میں کوفہ علم و فضل کا گہوارہ بن چکا تھا اور فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہیں درس دیتے تھے ۔ عبداللہ بن مسعودؓ حضورؐ کے صحابہؓ میں علم قرآن اور فقہ و اجتہاد میں تقریباً سب سے آگے تھے ۔ پھر جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی اپنا دارالخلافہ یہیں منتقل کر لیا تو اس کی علمی مرکزیت اور ممتاز ہو گئی یہاں کے فضلا صرف محدثین ہی نہ تھے ۔ اہل الرائے بھی ایسے تھے جو بڑے درجے کے مجتہد شمار ہوتے تھے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس مسند تدریس پر ان کے بعد ان کے نامور شاگرد حضرت علقمہؒ فائز ہوئے ۔ حضرت علقمہؒ صحابی نہ تھے مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فیض علم نے انہیں اس درجہ ممتاز کر دیا تھا کہ حضور اکرمؐ کے کئی صحابہ بھی ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے ۔ حضرت علقمہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ بھی کئی اصحاب کبار سے استفادہ کیا تھا اور اپنے وقت میں وہ علم کا ایک بڑا مرکز تھے ۔

ان کے بعد اسی مسند درس پر حضرت ابراہیم نخعیؒ جلوہ پیرا ہوئے ۔ اعمش انہیں صیرفی الحدیث (حدیث کے صراف) کہتے تھے ۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے اگر کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو آپ فرماتے کہ ابراہیم نخعی کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسئلہ کیوں پوچھتے ہو ۔ علامہ شعبی کا بیان ہے کہ وہ فقہ و حدیث کے جامع تھے ۔ ان کی وفات کے بعد اصحاب الحدیث نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کو اس مسند درس پر بٹھایا ۔ حضرت حماد سے یہ گذارش کرنے والوں میں امام ابوحنیفہؒ بھی تھے ۔ حضرت حماد کی وفات کے بعد یہی مسند درس حضرت امام ابوحنیفہؒ سے

فیضیاب ہوئی۔ حضرت امام نے نہ صرف اس درس کو چار چاند لگا دیئے بلکہ اپنے اساتذہ کرام "کبار تابعین اور فقہائے صحابہؓ سے حاصل ہونے والے اس عظیم ذخیرہ علمی کو باقاعدہ مدون کرنے کی مہم اٹھائی بڑے بڑے محدثین اور اپنے جلیل القدر شاگردوں کے مشورہ سے فقہ کے اصول قائم کئے اور فقہ کو باقاعدہ مدون کیا۔ بعد میں آنے والے تمام فقہا گو بعض جزئیات فقہ میں حضرت امام سے مختلف ہوں۔ اصول فقہ میں سب حضرت امام کے عیال ہیں۔ پس فقہ حنفی کا پہلا نشان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تدریس اور دوسرا اجل عنوان حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کا تعارف

آپ کا نام نعمان کنیت (صفتی) ابوحنیفہ اور لقب امام اعظمؒ ہے۔ علامہ ذہبی حافظ ابن کثیر اور علامہ عینی جیسے اکابر محدثین آپ کو اس پر افتخار لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا مزار اقدس بغداد کے جس محلہ میں ہے وہ آج تک اعظمیہ کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے آپ فارسی النسل ہیں اور آپ کے والد ثابت بن زوطی تھے۔ حضرت ثابت کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے گود میں لے کر ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے دعا برکت فرمائی تھی۔ اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی پوری امت میں کسی کی امامت اتنی مقبول نہیں جتنی امام ابوحنیفہؒ کی ہے اور اسلامیان عالم کا نوے فی صدی طبقہ اجتہادی مسائل میں آپ کا پیرو ہے۔ اس جلیل القدر امام کی اتنی سوانحعمریاں لکھی گئی ہیں کہ رسول اکرمؐ کے علاوہ اور کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی بھی نہیں لکھی گئیں اور ان نامورروں نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کے سوانح حیات علیحدہ کتابی شکلوں میں قلمبند کئے جاتے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حق میں حضور اکرمؐ کی بشارت بھی موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا لوکان الدین عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۲) کہ اگر دین ثریا ستاروں جتنا بھی دور ہوجائے تو ایک فارسی النسل مرد اسے وہاں سے بھی لے آئے گا۔ امام سیوطیؒ نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود بیان فرمایا ہے کہ آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔

(تبییض الصحیفہ صفحہ ۱۲ ہند) آپ کی پیدائش بمقام کوفہ ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ تابعی تھے اور جن آنکھوں نے حضورؐ کا جمال جہاں آرا دیکھا۔ ان کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن

کرنے والے تھے۔ کئی دفعہ حضرت انسؓ خادم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی (ذہبی)، آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے صحابہ کرام کی بھی کوفہ مدینہ اور مکہ میں زیارت کی تھی (ابن خلکان) حافظ ابن حجر عسقلانی حافظ عراقی اور حافظ سخاوی جیسے محققین، آپ کے تابعی ہونے کے معترف ہیں (نقلہٗ ابو المحاسن فی عقود الجمان)

آپ علامہ شعبیؒ کی ترغیب سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان دنوں علم سے مراد ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث اور کلام تھا۔ کوفہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تدریس اور حضرت علیؓ کا دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علم وفضل کا گہوارہ بن چکا تھا۔ (مبسوط جلد ۲ صفحہ ۹) آپ کی درس گاہ تھا۔ علامہ نوویؒ کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

دار الفضل ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب (شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۵) حضور اکرمؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں (الکوفۃ قبۃ الاسلام (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۸۹) امام حدیث حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ افعال حج تو مکہ والوں سے سیکھو، قرأت اہل مدینہ سے (لیکن حلال وحرام کا علم کوفہ والوں سے حاصل کرو (معجم البلدان یاقوت حموی) حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کا قیام تھا جن میں سے چوبیس بدری تھے (کتاب الاسماء والکنی للحافظ ابی بشر دولابی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴) حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ والبغداد مع المحدثین (مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۹۱ مصر) یعنی میں شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی دفعہ طلب حدیث کے لئے کوفہ گیا ہوں۔ مشہور تابعی امام حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طلبا اور چار سو فقہاء تھے۔ (تدریب الراوی صفحہ ۱۷۲ مصر)

محدث بغداد عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ ہم کوفہ آئے اور چار مہینے وہاں قیام کیا تو:

لو اردنا ان نکتب مائۃ الف حدیث لکتبناها فما کتبنا الا خمسین الف حدیث	اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ حدیثیں بھی لکھ سکتے تھے لیکن ہم نے (احتیاطاً) صرف پچاس ہزار احادیث وہاں لکھیں۔

(شرح الفیہ للعراقی جلد ۲ صفحہ ۹ مصر)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی جائے پیدائش ان کا علمی گہوارہ اور ان کی درس گاہ یہی

کوفہ ہے۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ کوفہ کا سارا علم میرے پاس موجود ہے۔ شروع میں آپ کی توجہ علم کلام کی طرف تھی کیونکہ عجمی اختلاط وسعت تمدن اور رفض وخروج کے فتنوں کے باعث بہت سے کلامی مباحث پیدا ہو گئے تھے۔ اہل حق کے لئے احقاق حق اور ابطال باطل ضروری تھا۔ امام نے ان مباحث میں کافی حصہ لیا اور ہمیشہ غالب رہے آپ کی یہ تحقیقات آج بھی علم کلام کی روح سمجھی جاتی ہیں۔ آپ کی مختصر کتاب فقہ اکبر (جو امام ملا علی قاری کی تحقیق کے مطابق آپ ہی کی کتاب ہے) زیادہ تر علم کلام سے ہی متعلق ہے۔ بعد میں آپ حدیث و فقہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے

حضرت امام ساری دنیا کے لئے ایک زندہ جاوید فقہی ذخیرہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے باوجودیکہ کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کی درس گاہ بن چکا تھا (فتح المغیث صفحہ ۳۸۲) دوسرے اسلامی شہروں کی طرف سفر کئے۔ بصرے کے علاوہ تکمیل کی سند حاصل کرنے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو اسلام کے اصلی مرکز تھے۔ مکہ میں عطاء بن ابی رباح کے درس حدیث میں شامل رہے۔ (مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ) ان کے علاوہ حضرت عکرمہ سے بھی مکہ معظمہ میں حدیث کی سند لی۔ اسی سلسلہ میں مدینہ پہنچے اور حضرت فاروق اعظمؓ کے پوتے سالم و ام المومنین میمونہ کے غلام حضرت سلیمان (جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں علم وفضل کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر تھے) سے حدیث سنی۔ حج کی تقریب پر ممالک اسلامیہ کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آ کر جمع ہوتے تھے۔ حضرت امام اس موقعہ پہ ان سب سے ملتے اور استفادہ کرتے چنانچہ امام اوزاعیؒ اور شام کے امام حضرت مکحول سے آپ نے مکہ میں ہی حدیث کی سند لی۔

تکمیل علوم کے بعد آپ کے سامنے دو امر تھے یا تو احادیث کو جمع کرتے اور بیان احادیث سے استنباط احکام اور استخراج مسائل کرکے علم حدیث کے مقاصد کو پورا کرتے۔ پہلی قسم کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے اور بھی کئی حفاظ و محدثین موجود تھے لیکن دوسری قسم کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے جس قسم کی ذہانت، سلامت فکری، نظر جامعیت اور ملکہ استنباط کی ضرورت تھی۔ وہ آپ میں ہی بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے احکام فقہ کو اپنا فن بنایا اور ساری عمر اس کی خدمت میں صرف

کردی۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات آپ کو احادیث بھی روایت کرنا پڑتی تھیں۔ لیکن چونکہ مقصود ان سے بھی استخراج مسائل ہی ہوا کرتا تھا۔ اس لئے انہیں محدثین کے طرز پر جمع نہیں کیا گیا بلکہ فقہی شکل میں آپ کے تلامذہ نے انہیں جمع کیا۔ جس طرح عطار صرف صاحب ذخیرہ ہوتا ہے۔ اہل الرائے نہیں مگر طبیب اہل الرائے بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے علم حدیث کا ذخیرہ جمع کرنے کے بجائے اس کے بارے میں اہل الرائے ہونا پسند فرمایا اس سے یہ قیاس کرنا کہ آپ محدثین میں سے نہ تھے ایک بڑی نادانی ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو ان حفاظ میں شمار کیا ہے جن کی بابت لکھا ہے کہ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبویؐ کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر تحقیق احادیث میں اعتماد کیا جاتا ہے (تذکرہ) علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں سے ہونا اس سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب محدثین میں معتبر سمجھا جاتا ہے اور اس سے ردّاً یا قبولاً بحث کی جاتی ہے۔ (مقدمہ ۴۴۵ مصر) حافظ ابوالحاسن دمشقی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کبیر الحدیث اور حفاظ محدثین میں سے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کا مجتہد مطلق ہونا جس کا انکار غالباً ساری امت میں سے کسی نے نہیں کیا۔ خود اس بات کی شہادت ہے کہ آپ علوم قرآنیہ حدیث مذاہب سلف لغت و عربیت اور قیاس پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ کیوں کہ ان پانچ چیزوں کے بغیر کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ (عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب ۳)

ایک محدث کبیر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے۔ امام ترمذی کتاب العلل میں حضرت امام کا قول ایک راوی کے متعلق امام جرح و تعدیل کی حیثیت سے بھی نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقیؒ مدخل میں لکھتے ہیں کہ ابوسعد صنعانی نے امام ابوحنیفہؒ سے سفیان ثوری کی روایت کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا اکتب عنه فانه ثقة ما خلا احادیث ابی اسحٰق عن الحارث و حدیث جابر الجعفی، (وہ ثقہ ہیں ان کی روایت لے لیا کرو لیکن جب وہ ابواسحٰق کی روایت حارث سے نقل کریں یا جابر جعفی کی روایت لیں تو اسے سفیان کے اعتماد پر قبول نہ کیا جائے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام کی طرق روایت پر گہری نگاہ تھی اور یہ کہ آپ سے سفیان ثوریؒ جیسی عظیم شخصیتوں کے متعلق بھی حدیثی رائے لی جاتی تھی۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ما رأیت اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفه، (نقلهٔ السمعانی فی الانساب)

اس مجتہدانہ شان کے باوجود آپ اہل فقر میں سے تھے ۔ حضرت داؤد طائی جیسے امام طریقت بزرگ آپ کے ادنیٰ تلامذہ میں سے تھے ۔ منازل سلوک میں امام جعفر صادقؒ سے ارادت تھی ۔ ذریعۂ معاش تجارت تھا اور کوفہ کے رئیس سمجھے جاتے تھے ۔ آخر میں آپ کو دولت عباسیہ کی طرف سے عہدہ قضا پیش کیا گیا مگر آپ عباسیوں کو حکومت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے ۔ اس لئے آپ نے اسے قبول نہ کیا اس پر آپ کو قید کر لیا گیا اور دس کوڑے روزانہ کے حساب سے سزا دی جاتی رہی کہ شاید آپ عیش و آرام کی زندگی کو قبول کر لیں مگر چونکہ آپ کا مقصود اللہ کی رضا اور اس کے دین کا استحکام تھا ۔ اس لئے کوئی خوف آپ کے پائے استقلال میں لرزہ پیدا نہ کر سکا ۔ اور آخر کار سنہ ۱۵۰ھ میں ستر سال کی عمر میں منصور عباسی کے دور حکومت میں زہر پلا کر شہید کر دیئے گئے ۔ عہدہ قضا کی یہ پیش کش ایک گہری سیاسی سکیم کا نتیجہ تھی ۔ آپ کی سیاسی زندگی کو حضرت علامہ سید مناظر احسن صاحب نے تقریباً چار سو صفحات میں منضبط کیا ہے ۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے وقت کی ایک اہم سیاسی شخصیت بھی تھے ۔

مختصر تذکرہ تلامذہ امام ہمام قدس اللہ سرارہم

امام عبداللہ بن مبارکؒ امام نوویؒ نے آپ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا ہے " وہ جس کی امامت اور جلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے " آپ نے چار ہزار شیوخ سے حدیث پڑھی ۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے ۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی ہوتا (تہذیب التہذیب)

امام وکیع بن جراحؒ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ حضرت امام احمدؒ جب ان سے کوئی روایت کرتے تو یوں کہتے " یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا " (تہذیب الاسماء امام نوویؒ) صحیح بخاریؒ و صحیح مسلمؒ ان کی روایات سے بھرپور ہیں (حافظ ذہبیؒ نے آپ کے متعلق تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفہ یعنی آپ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے ۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت امام سے بہت سی احادیث سنیں ۔

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ فن رجال کے بانی یحییٰ بن سعید ہیں۔ ان کے بعد ان کے شاگرد یحییٰ بن معین علی بن المدینی اور امام احمدؒ ان کے بعد، ان کے شاگرد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ (میزان) حدیث میں ان کا یہ پایا تھا کہ امام احمدؒ اور علی بن المدینی کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے تھے۔ تنقید روایات میں یہ درجہ تھا کہ ائمہ حدیث کہا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ چھوڑ دیں گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے (تہذیب)، امام ابوحنیفہؒ کے درس میں شریک ہوتے تھے اور مسائل میں ان کی تقلید کیا کرتے تھے۔ (تذکرہ)

امام عبدالرزاق بن ہمامؒ

محدث ذہبیؒ نے انہیں احد الاعلام الثقات کہا ہے۔ بخاریؒ مسلم ان کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ حضور رسالتمآبؐ کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز مسافتوں سے لوگ نہیں آئے جتنے آپ کے پاس طلب حدیث کے لئے آیا کرتے تھے۔ آپ کو امام ابوحنیفہؒ سے حدیث میں تلمذ تھا۔

قاضی ابو یوسفؒ

تفسیر، مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے (ابن خلکان)، حافظ ذہبی نے انہیں حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام احمدؒ آپ کے شاگرد تھے اور آپ کو منصف فی الحدیث کہا کرتے تھے (تہذیب)، قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ اسلامی قانون کی جزئیات جس قدر آپ کی تصانیف سے ملتی ہیں دوسری کسی کتاب سے نہیں ملتیں۔ تدوین فقہ میں آپ حضرت امام کے دائیں بازو تھے اور مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام محمدؒ

فقہ، حدیث اور لغت کے امام تھے حضرت امام کے بعد امام مالکؒ سے حدیث پڑھی اور امام ابویوسفؒ سے تکمیل کی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو اس طرح معلوم ہوتا جیسے وحی اتر رہی ہے۔ امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام محمدؒ سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا ہے۔ امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حل گئے فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے (تہذیب الاسماء امام نووی رحمۃ اللہ علیہ) علم حدیث میں آپ کی تین کتابیں موطا امام محمد کتاب الآثار اور کتاب الحج چھپ چکی ہیں۔ فقہ میں آپ کی چھ کتابیں جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، زیادات اور مبسوط ظاہر الروایہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف ہیں حضرت امام کے دوسرے بازو تھے اور مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔

حضرت داؤد طائیؒ

صوفیہ ان کو مرشد کامل مانتے ہیں۔ علم میں یہ حال تھا کہ امام بھی ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب

کے شریک تھے۔ آپ نے حضرت امام کی بیس برس کے قریب شاگردی کی ہے۔ کمال عقیدت کی یہ انتہا ہے۔

یزید بن ہارونؒ آپ کو بیس ہزار حدیثیں یاد تھیں، علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔ فن حدیث میں امام صاحب کے شاگرد تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب الکمال)

امام زفرؒ فقہ میں ان کا درجہ امام محمدؒ کے برابر تھا۔ حدیث کے بھی امام تھے، اور صاحب الحدیث کہلاتے تھے (تہذیب الاسماء) عربی النسل تھے، اور قیاس مجتہدانہ میں بڑے باکمال تھے۔ اللّٰھمّ امطر علیھم شآبیب الغفران ۔

نوٹ:۔ تمام بڑے بڑے محدثین اور ائمہ علم حضرت امام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نسبت تلمذ رکھتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک اس شجرہ علمی میں ملاحظہ کیجئے۔

امام الائمہ سراج الامۃ
سیدنا وسندنا
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت امام اعظم ابو حنیفہ
۸۰ھ سے ۱۵۰ھ
تاج العارفین
امام داؤد طائی
۱۶۰ھ
امام زفر
۱۱۰ھ ۱۵۸
امیر المومنین فی الحدیث
حضرت عبد اللہ بن مبارک
۱۱۸ھ ۱۸۱
الامام الحافظ
وکیع بن جراح
۱۲۹ھ ۱۹۷
امام الائمہ
امام محمد
۱۳۵ھ ۱۸۹
قاضی القضاۃ
سیدنا امام ابو یوسف
۱۱۳ھ ۱۸۲
امام فقہ
حسن بن زیاد
۲۰۴ھ
امام فن رجال
یحییٰ بن سعید القطان
۱۲۰ھ ۱۹۸
امام حدیث
یزید بن ہارون
۱۱۷ھ ۲۰۶
حضرت امام شافعی
۱۵۰ھ ۲۰۴
عبد الرزاق بن ہمام
۱۲۶ھ ۲۱۱
سیدنا امام احمد
۱۶۴ھ ۲۴۱
فخر الشوافع اسمٰعیل بن یحییٰ
امام مزنی
۱۷۵ھ ۲۶۴
یحییٰ بن معین
۱۵۸ھ ۲۳۳
حافظ العصر
امام علی بن المدینی
۱۶۱ھ
حضرت امام ابو داؤد
۲۰۲ھ ۲۷۵
ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب
حضرت امام نسائی
۲۱۵ھ ۳۰۳
حضرت امام مسلم
۲۰۶ھ ۲۶۱
الامام الحدیث
امام ابو نعیم
حضرت امام بخاری
۱۹۴ھ ۲۵۶
امام المحدث والفقہ
امام طحاوی
۲۳۹ھ ۳۲۱
قدوۃ المحدثین
حضرت امام طبرانی
۲۶۰ھ ۳۶۰
ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ
حضرت امام ترمذی
۲۰۹ھ ۲۷۹

طبقات فقہاء

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے طریق پر فقہ استخراج کرنے والے فقہاء کرام کے طبقات۔

۱۔ مجتہدین فی المسائل یہ مجتہدین کرام ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں حضرت امام سے کوئی روایت نہیں۔ ان میں امام ابوالحسن کرخی امام طحاوی، امام خصاب، شمس الائمہ سرخسی شمس الائمہ حلوانی، فخر الاسلام بزدوی اور قاضی خاں وغیرہم ممتاز ہیں۔

۲۔ مقلدین اصحاب تخریج یہ وہ فقہا ہیں جو اجتہاد پر اصلاً قادر نہیں مگر اصول و مآخذ پر حاوی ہونے کی وجہ سے امام یا اصحاب امام کے مجمل اقوال کی تفصیل کرنے میں ان اقوال کو ان کے اشباہ و امثال پر قیاس کرنے کا درجہ رکھتے ہوں حافظ ابوبکر جصاص رازی وغیرہ اسی طبقے میں شامل ہیں۔

۳۔ مقلدین اصحاب ترجیح جو ایک روایت کو دوسری روایت پر مآخذ کے لحاظ سے یا اصول درایت کے اعتبار سے ترجیح دینے پر قادر ہوں۔ اس طبقے کے فقہاء کی بھی قیاس پر گہری نظر ہوتی ہے اور انہیں عوام کی سہولت اور عموم بلوی کو پیش نظر رکھنے کا حق ہے۔ امام ابوالحسن قدوری اور علامہ برہان الدین صاحب المرغینانی (صاحب ہدایہ) اسی طبقے سے ہیں۔
ابن ہمام بھی اجتہاد کے اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ علامہ ابن نجیم صاحب بحرالرائق بھی اسی درجے پر فائز تھے۔

۴۔ مقلدین متاخرین جو فقہاء مجتہدین کی روایات میں سے صحیح وضعیف، ظاہر الروایت اور نوادر روایات کے امتیاز پر قادر ہوں۔ شمس الائمہ کردری حافظ نسفی وغیرہم اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور مابعد کے تمام متاخر فقہاء کرام جیسے علامہ طحطاوی، علامہ شامی، ملا علی قاری، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ وغیرہم اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ فقیہ النفس ہونے میں نہایت ممتاز اور قاضی خاں کے درجے پر نظر آتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

المختصر قدوری کا درجہ قدوری گو ایک مختصر سی کتاب ہے لیکن اپنے اعتماد بہترین ترتیب اور جامع انداز کی وجہ سے فقہ حنفی کے معتبر ترین

متون میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ ہدایہ جیسی مرکزی کتاب درا صل اسی قدوری اور امام محمدؒ کی جامع صغیر کی شرح ہے۔ قدوری کے اس مختصر متن پر ہر دور میں مختلف حاشیے لکھے گئے اور متعدد علمائے اعلام نے اس کی مستقل شروح لکھیں ان میں سے جوہرہ نیرہ بہت مشہور ہے۔

مصنف کا تعارف

آپ کا نام احمد بن محمد بن جعفر اور کنیت ابو الحسن ہے۔ آپ بغداد کے ایک محلہ کے رہنے والے تھے قدر (عربی زبان میں ہنڈیا کو کہتے ہیں اور قدور اس کی جمع ہے۔ آپ بغداد کے محلہ قدور کے تعلق سے قدوری کہلاتے ہیں آپ نے علم فقہ اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ محمد بن یحیٰی جرجانی سے حاصل کیا۔ آپ کی ایسی نظر بھی بہت دقیق تھی اور آپ کا مرتبہ فقہائے احناف میں بہت بلند ہے۔

آپ نے رجب ۴۲۸ھ بروز اتوار بغداد میں وفات پائی پہلے آپ کو علاقہ درب ابی خلف میں دفن کیا گیا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد آپکو شارع منصور میں ابو بکر خوارزمی کی قبر کے پاس منتقل کر دیا گیا ابو بکر خوارزمی بھی ایک نہایت جلیل فقیہ گذرے ہیں۔

آپ کی تصنیفات میں مختصر القدوری، کتاب تجرید اور کتاب التقریب خاص طور پر مشہور ہیں۔ مختصر القدوری آپ کے سامنے ہے یہ مدت دراز سے درس نظامی کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ کتاب التجرید سات جلدوں میں ہے۔ اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات جمع کئے گئے ہیں اس میں امام قدوری کا اپنا محاکمہ بھی ساتھ ساتھ ہے۔ کتاب تقریب میں وہ مسائل ہیں جو حضرت امام اور ان کے شاگردوں کے مابین فروعی طور پر مختلف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

أَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِيْ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ

اول وقت فجر کا (اس وقت ہوتا ہے) جب طلوع ہو فجر ثانی اور وہ سفیدی ہے جو افق میں پھیلتی ہے

فِي الْأُفُقِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ وَأَوَّلُ وَقْتِ

اور اس نماز کا آخری وقت اس وقت تک ہے) جب تک سورج نہ نکلے اور ظہر کا اول وقت سورج کے ڈھلنے سے

الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ

(شروع ہوتا ہے) اور اس نماز کا آخری وقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک

إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ

(اس وقت تک ہے) جب ہر شے کا سایہ اصلی سایہ کو چھوڑ کر اس چیز سے دگنا ہو جائے۔

مشکل الفاظ : فجر : پھاٹنا۔ بیاض : سفیدی۔ اُفق : آسمان کا کنارا۔ جمع آفاق۔ ظِلّ : سایہ۔ فیئ : سایہ۔ معترض : پھیلنے والی۔ زَالَت : ڈھل گیا۔ زائل ہو گیا۔ صَارَ : ہو گیا۔ سِوٰی : سوائے۔ علاوہ۔

اوقات الصلوٰۃ

نماز مسلمانوں پر بہ قید وقت فرض کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے : ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (قرآن)، پس نمازوں کو ان اوقات کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے جو شریعت نے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر نماز کے اوّل وقت میں آپؐ کو نماز پڑھائی۔ اگلے دن حضرت جبرئیل امین پھر حاضر ہوئے اور ہر نماز کے آخری وقت میں نماز ادا کی اور اس کے بعد عرض کیا کہ ہر نماز کے وقت کی حدود یہاں سے وہاں تک ہیں۔

نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ بہ قید وقت ادا فرمائی۔ اگر کہیں آپؐ نے دو نمازوں کو جمع کیا تو اس کی یہ صورت ہوئی کہ پہلی نماز آپؐ نے اس کے آخری وقت میں ادا فرمائی اور دوسری نماز اپنے اوّل وقت میں ادا کی اس طرح ہر نماز صورۃً جمع ہونے کے باوجود اپنے اصل وقت میں ادا ہوئی پس آپؐ کا بعض حالات میں دو نمازوں کو جمع کرنا صرف جمع صوری تھی۔ قرآن حکیم کے اس حکم کے (کہ نماز مسلمانوں پر بہ قید وقت فرض کی گئی ہے)، خلاف

ہرگز نہ تھی۔

دو نمازوں کو حقیقۃً جمع کرنا حضور اکرمؐ سے صرف حج کے دو موقعوں پر ثابت ہے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع کرنا اور مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو ساتھ ساتھ پڑھنا۔ یہ جمع عذراً نہیں بلکہ حکماً عمل میں آتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں جو نماز اپنے وقت سے موخر ہوتی ہے اس کے لیے قضا کی نیت جائز نہیں اسے ادا کی نیت سے ہی پڑھا جاتا ہے۔

لہ فجر کا لفظی معنے ہے پھاڑنا۔ چونکہ صبح کی روشنی رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر نکلتی ہے اس لیے فجر کہلاتی ہے۔ فجر کی دو قسمیں ہیں :

(۱) فجرِ اول (یعنی صبحِ کاذب) وہ روشنی ہے جو مشرق میں سیدھی اُوپر کو اٹھتی دکھائی دیتی ہے اور اس کے بعد پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

(۲) فجرِ ثانی (یعنی صبحِ صادق) وہ روشنی ہے جو صبحِ کاذب کے اندھیرے کے بعد آسمان کے مشرقی کنارے پر پھیلتی ہے۔ یہی وہ صبح ہے جس سے سحر ختم ہو جاتی اور نمازِ فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

سلہ افق آسمان کے کنارے کو کہتے ہیں جو زمین سے ملا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس لفظ کی جمع آفاق ہے۔ معترض کا لفظ عرض سے نکلا ہے۔ عرض کا معنے ہے پھیلاؤ۔ بیاضِ معترض کا مطلب ہے، پھیلتی ہوئی سفیدی۔ اور اس سے مراد صبحِ صادق (فجرِ ثانی) ہے۔

سلہ عین دوپہر کے وقت جب سایہ گھٹنا بند ہو جائے اور تھوڑی دیر کے بعد بڑھنا شروع ہو جائے تو گھٹاؤ بڑھاؤ کے درمیانی وقفے میں سایے کی جو مقدار ہوگی وہی اصل سایہ ہے۔ اصلی سایے کی مقدار موسموں اور علاقوں کے فرق سے بدل جاتی ہے لیکن عموماً اس کی مقدار اس چیز کی اصل لمبائی کے چھٹے حصے کے برابر ہوتی ہے جس کا یہ سایہ ہے۔ یہی سایۂ فئِ زوال بھی کہلاتا ہے۔

سمہ موطا امام مالکؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ صَلِّ الظُّهْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ یعنی ظہر اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے قد کے برابر ہو اور عصر اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے قد سے دوگنا ہو جائے"۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے!

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ

اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں (کہ ظہر کا آخری وقت) اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس

مِثْلَهُ وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلٰی

کی مثل ہو جائے اور عصر کا اول وقت ہر دو قول پر[1] اس وقت ہوتا ہے جب ظہر کا وقت نکل جائے

الْقَوْلَيْنِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ وَاَوَّلُ وَقْتِ

اور عصر کا آخری وقت (اس وقت تک ہے) جب تک سورج غروب نہ ہو[2] اور اول وقت

الْمَغْرِبِ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ

مغرب کا (اس وقت تک ہے) جب سورج غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت اس وقت تک

وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ يُرٰی فِی الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِیْ

ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ اور شفق امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سفیدی[3] ہے جو افق میں سرخی کے بعد

حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هُوَ الْحُمْرَةُ وَاَوَّلُ

دکھائی دیتی ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اسی سرخی کو ہی شفق کہتے ہیں اور اول وقت عشاء کا

مشکل الفاظ: صَارَ: ہو گیا۔ خرج: نکل گیا۔ لم تغرب: غروب نہ ہوا۔ غَرَبَتْ: غروب ہو گیا (سورج)۔ الشفق: آسمان کے کنارے پر سفیدی یا سرخی۔ الحمرۃ: سرخی

[1] ہر دو قول سے مراد امام اعظمؒ کا قول اور ان کے دو شاگردوں (ابو یوسف و محمدؒ، صاحبین) کا قول ہے۔ پہلے قول پر عصر کا وقت سایۂ دوگنا ہو جانے سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے قول پر قد کی لمبائی کے برابر (اصلی سایے کو چھوڑ کر) ہو جانے سے عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

[2] طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْمَغْرِبُ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)

جب تک نمازِ مغرب کا وقت نہ ہو جائے اُس وقت تک عصر ہی کا وقت ہے"۔

[3] شفق کے یہی معنے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے علامہ شامیؒ نے نقل کیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک شفق سے مُراد سُرخی ہے۔ (حاشیہ بحرالرائق صفحہ ۲۵۸)

حضورؐ کے ایک ارشاد سے شفق کے پہلے معنی ثابت ہوتے ہیں (ترمذی جلد صفحہ ۲۲) پر حضورؐ کا ارشاد منقول ہے کہ "عشاء کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے"۔ شفق غائب ہو جانے سے مُراد یہ ہے کہ افق یعنی آسمان کے کنارے — کا رنگ باقی آسمان کے برابر ہو جائے گا کیونکہ جب تک افق اور سارے آسمان کا رنگ یکساں نہ ہو جائے افق اور آسمان میں امتیاز باقی رہتا ہے۔ ان دلائل سے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

وَقْتُ الْعِشَاءِ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ

(اس وقت ہوتا ہے) جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت (اس وقت تک ہے) جب تک

الْفَجْرُ الثَّانِي وَأَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ

فجر ثانی (صبح صادق) طلوع نہ ہو اور اول وقت وتر کا عشا کی نماز (ادا کرنے) کے بعد ہے اور ان کا آخری وقت

يَطْلُعِ الْفَجْرُ وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ

(اس وقت تک ہے) جب تک فجر طلوع نہ ہو اور مستحب ہے فجر کا سفیدی میں ادا کرنا گرمیوں میں

وَتَقْدِيمُهَا فِي الشِّتَاءِ وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ وَتَعْجِيلُ

ظہر کو ٹھنڈا کر کے (پڑھنا) سردیوں میں اسے جلدی ادا کرنا اور عصر کیلئے سورج کے رنگ بدلنے تک تاخیر کرنا

الْمَغْرِبِ وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ

اور مغرب تک جلدی کرنا اور عشاء ایک تہائی رات تک دیر سے پڑھنا مستحب ہے،

مشکل الفاظ: لَمْ يَطْلُعْ: طلوع نہ ہوا۔ اسفار: روشن کرنا۔ ابراد: ٹھنڈا کرنا
صیف: موسم گرما۔ شتاء: موسم سرما۔ تاخیر: دیر لگانا۔ تعجیل: جلدی کرنا۔

لہ ترمذی میں حضور کی حدیث ہے أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ (صفحہ ۲۳)
"فجر کو سفیدی میں ادا کرو کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے"۔ اِسفار کا معنی ہے۔ روشن کرنا اور سفید کرنا۔
اِبْرَاد کا لفظ بَرْد سے نکلا ہے۔ برودت کا معنے ہے ٹھنڈک۔ ابراد کا معنے ہوا ٹھنڈا کرنا۔
بخاری شریف جلد ا صفحہ ۸۶ میں حضور کی حدیث یوں آئی ہے إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا
بِالصَّلٰوةِ۔ "جب گرمی سخت ہو تو نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے (دیر سے) پڑھو"

لِمَنْ يَأْلِفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ اَنْ يُؤَخِّرَ الْوِتْرَ اِلٰی اٰخِرِ اللَّيْلِ وَاِنْ لَمْ

اس شخص کے لیے جو رات کی نماز (تہجد) کو دوست رکھتا ہے کہ وتروں کو رات کے آخر تک مؤخر کرے، اور اگر اسے جاگنے میں اپنے

يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ عَلٰی نَفْسِهٖ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ وَتَعْجِيْلُ الْعِشَاءِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ

پر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اور ابر کے دن عشاء میں جلدی کرنا بھی مستحب ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ

اذان سنت ہے پانچ نمازوں اور جمعہ کے لیے اور ان کے علاوہ باقی نمازوں

مَاسِوَاهَا وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ وَيَزِيْدُ فِيْ اَذَانِ

کے لیے اذان نہیں اور اس میں (اذان میں) ترجیع نہیں اور

مشکل الفاظ: یأْلِفُ۔ الفت سے مضارع ہے۔ دوست رکھتا ہے۔ الفت کرتا ہے۔
صلوٰۃ اللَّیل: نمازِ تہجد لَمْ یَثِقْ۔ وثوق سے۔ اعتماد نہ کرے۔ بھروسہ نہ کرے۔
انتباہ: جاگنا اَوْتَرَ۔ وتر پڑھ لیے۔ غَیم۔ بادل، ابر دُوْنَ۔ علاوہ
ترجیع۔ لوٹانا۔ دہرانا۔ کلمات اذان کو آہستہ کہہ کر پھر زور سے کہنا۔

اذان کی حقیقت:

ہر مذہب میں عبادت کی طرف بلانے کا ایک طریق مقرر ہے کہیں ڈھول اور ناقوس بجتے ہیں اور کہیں گھنٹی کی آواز دی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کے لیے اذان جاری فرمائی اذان کے معنی اعلان کے ہیں۔ اعلان کا طریقہ اس وقت عمل میں آیا جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے یہ طریقہ پہلے حضرت عبداللہ بن زید کو بصورتِ خواب دکھایا گیا تھا جسے آنحضرتؐ نے پسند فرمالیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ یہ اذان حضرت بلالؓ کو سکھا دیں۔ نماز کے لیے اس کے سوا کسی اور طریق سے لوگوں کو بلانا جائز نہیں اور نہ اس اذان میں کمی بیشی کی کسی شخص کو اجازت ہے۔

اذان میں ترجیع کرنا امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ ترجیع اشہد ان لا الٰہ الا اللہ ....

[1] حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ آخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ

(۲۵۵ / مسلم ۱۲۰)

باب الاذان

"جس شخص کو رات کے پچھلے پہر نہ اُٹھ سکنے کا اندیشہ ہو وہ وتر کو پہلے پہر ادا کرے اور جو شخص پچھلے پہر اُٹھنے کی حرص رکھتا ہو اُسے وتر رات کے پچھلے حصے میں پڑھنے چاہئیں"۔

لہ ترجیع کا معنے ہے دُہرانا اور اس کی کیفیت امام شافعی رح کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ اذان میں کلماتِ شہادت (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه) کو بالترتیب دو مرتبہ آہستہ اور پھر دو مرتبہ باواز بلند کیا جاتے۔ ترجیع کا تصور ابو محذورہؓ صحابی کی اذان سے پیدا ہُوا۔ حضورؐ نے ابو محذورہؓ کے قبول اسلام کے وقت انھیں اذان کی تلقین فرمائی اور بطور تعلیم و تاکید کلماتِ شہادت کا تکرار فرمایا۔ ابو محذورہؓ نے اس تکرار کو اذان کی کیفیت میں داخل سمجھ لیا۔ ورنہ مسجدِ نبوی میں جو اذان حضورؐ کے حکم اور تعلیم سے نماز پنجگانہ کے لیے ہوتی تھی اس میں ترجیع بالکل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو من جانب اللہ جو اذان خواب میں دکھائی گئی تھی اور حضورؐ نے جسے قبول فرما کر حضرت بلالؓ کو سکھانے کا حکم دیا تھا اس میں بھی کلماتِ شہادت دو دو مرتبہ ہی تھے۔ الجواہر النقی صفحہ ۱۰۴/۱ میں ہے کہ " اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ بلالؓ کی اذان میں ترجیع نہیں ہوتی تھی"۔ محدث ابوعوانہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذان اور اقامت کے کلمات دو دو بار ہی ہوتے تھے" (آثار السنن ج ۱ صفحہ ۵۲)۔

اذان کے لفظی معنے ہے اعلان کرنا، خبردار کرنا اور آگاہ کرنا۔ اوقاتِ نماز کی اطلاع کے لیے اسلام نے دوسرے مذاہب کے رواج کے برخلاف اذان کا طریقہ اختیار کیا ہے جو اعلان و اخبار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مستقل تبلیغ کا پہلو بھی رکھتا ہے اور اس میں لہو و لعب کا شائبہ تک موجود نہیں ہے جبکہ ڈھول، ناقوس اور گھنٹی وغیرہ کی آواز میں یہ خدشہ یقیناً موجود ہے۔

الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ

اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم [1] دو دفعہ زیادہ کہے

وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى

اقامت بھی اذان کی طرح ہے مگر حی علی الفلاح کے بعد

الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ

قد قامت الصلوٰۃ دو دفعہ زیادہ کہے، اور اذان میں ترسل

فِي الْاَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْاِقَامَةِ وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا

کرے (ٹھہر ٹھہر کر کہے) اور اقامت میں جلدی [2] کرے اور ان دونوں میں (اذان اور اقامت میں)

الْقِبْلَةَ فَاِذَا بَلَغَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ

قبلہ رخ ہو اور جب پہنچے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر اپنا منہ تو

وَجْهَهٗ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا وَّيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيْمُ

دائیں اور بائیں طرف پھیرے اور قضا نماز کے لیے بھی اذان اور اقامت کہے [3]

مشکل الفاظ: اَلْفَلَاح: کامیابی۔ یہاں مراد حیّ علی الفلاح۔ اقامت: کھڑا کرنا۔ نماز با جماعت کیلئے تکبیر کہنا۔ یزید: زیادہ کرے۔ یترسل: ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ یحدر: جلدی پڑھے۔ حوّل: پھیر لیا۔ یؤذن: اذان کہے۔ فائتۃ: فوت شدہ نماز۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انسؓ کا ارشاد ہے: مِنَ السُّنَّةِ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِيْ اَذَانِ الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (زیلعی جلد اول ص۲۶۴، نیل الاوطار ج ۱ ص۳۳۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص۳۳۰) جب مؤذن فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہہ چکے تو سنت یہ ہے کہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے۔ حضرت انسؓ کے اس قول سے اس زائد کلمے کا اذان فجر میں سنت ہونا صراحتہ ثابت ہوتا ہے یہ اضافہ ایجاد بندہ نہیں ہے۔

[2] ترسل کا معنے ہے ٹھہر ٹھہر کر کہنا اور حدر کا معنے ہے جلدی جلدی کہنا۔ ترمذی میں حدیث ہے حضور نے فرمایا: يَا بِلَالُ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ فِيْ اَذَانِكَ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ. اے بلال جب اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہو۔ لیکن اس حدیث کی سند اتنی پختہ نہیں۔ ہاں بیت المقدس کے مؤذن ابو الزبیرؓ سے حضرت عمرؓ کا یہ قول منقول ہے: اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْذِمْ (دار قطنی ص۸۸) حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ سند قابل قبول ہے (تلخیص الحبیر ص۷۴)

فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُوْلٰى وَأَقَامَ وَكَانَ

اور اگر کئی کئی نمازیں فوت ہوں تو پہلی کے لیے اذان اور اقامت اور دوسری نماز کے

مُخَيَّرًا فِي الثَّانِيَةِ إِنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ وَإِنْ شَاءَ

کے لیے وہ مختار ہے اگر چاہے اذان اور اقامت دونوں کہے اور اگر چاہے تو اقامت

اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلٰى

(تکبیر) پر ہی اقتصار کرے، اور چاہیے کہ اذان اور اقامت دونوں وضو

طُهْرٍ فَإِنْ أَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازَ وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيْمَ

سے کہے[1] اور اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز شمار ہوگی[2] اور اقامت کہنا بغیر وضو

عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ أَوْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ وَلَا يُؤَذِّنُ

کے مکروہ ہے اور جنابت کی حالت میں اذان بھی مکروہ ہے اور کسی نماز کی

لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا إِلَّا فِي الْفَجْرِ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ

اذان اس کا وقت آنے سے پہلے نہ کہے[3] مگر فجر کی اذان امام ابو یوسف کے نزدیک وقت سے پہلے ہو سکتی ہے

مشکل الفاظ: فَاتَتْ: فوت ہوگئیں۔ صَلَوَاتٌ: نمازیں صلوٰۃ کی جمع۔ اَذَّنَ: اذان دی۔ مُخَيَّرًا: اختیار دیا ہوا۔ اِقْتَصَرَ: اس نے اکتفا کیا۔ يَنْبَغِي: مناسب ہے۔ طُهْر: طہارت، پاکیزگی۔ جُنُبٌ: جسے غسل ضروری ہو۔ دُخُوْلٌ: داخل ہونا۔

[1] سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک سفر میں حضورؐ کی فجر کی نماز فوت ہوگئی تو آپؐ نے بعد میں اسے اذان و اقامت کے ساتھ قضا فرمایا جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ مراقی الفلاح صفحہ ۱۱۶ میں ہے: وَكَذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِأُوْلَى الْفَوَائِتِ وَالْأَكْمَلُ فِعْلُهُمَا فِي كُلٍّ مِنْهَا وَكُرِهَ تَرْكُ الْإِقَامَةِ دُوْنَ الْأَذَانِ فِي الْبَوَاقِي مِنَ الْفَوَائِتِ۔ "اور اسی طرح فوت ہونیوالی نمازوں میں سے پہلی نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہر فوت شدہ نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جائے اور پہلی کے بعد والی نمازوں میں اقامت چھوڑ دینا مکروہ ہے اور اذان چھوڑ دینا جائز ہے"۔

[2] تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۶ میں ہے: اَلسُّنَّةُ أَنْ لَا يُؤَذِّنَ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ وَلَا يُؤَذِّنَ إِلَّا وَهُوَ قَائِمٌ۔ "سنت یہ ہے کہ اذان باوضو کہی جائے اور کھڑے ہوکر ہی کہی جائے"۔

[3] وضو کے بغیر قرآن پاک کی قرأت جائز ہے تو اذان بلاوضو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن کے کلمات اذان سے یقیناً افضل ہے لیکن بے وضوء قرأت یا اذان اچھی نہیں ہے۔

[4] فتح القدیر ص ۲۱۱ میں بحوالہ سنن بیہقی منقول ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے بلالؓ سے فرمایا تھا: لَا تُؤَذِّنْ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ "جب تک فجر کا وقت نہ ہو جائے اذان مت کہو"۔

اس سند کے سب راوی لائقِ اعتماد ہیں۔ دارقطنی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان کہہ دی اس پر حضور نے انہیں حکم دیا کہ اونچی جگہ کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ابھی وقت نہیں ہوا اور نیند کے غلبے میں مجھ سے اذان وقت سے پہلے ہو گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وقت سے پہلے اذان جائز نہیں ورنہ حضور بلال رض کو صفائی پیش کرنے کا حکم نہ دیتے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض مواقع پر بلال رض جو اذان رات کو دیتے تھے وہ نماز فجر کے لیے نہ تھی بلکہ اس صورت میں ابن امّ مکتوم رض فجر کے لیے اس کے وقت پر اذان دیتے تھے۔ علامہ عینی رح فرماتے ہیں: اِنَّ الْاَذَانَ الَّذِیْ کَانَ یُؤَذِّنُ بِہٖ بِلَالٌ کَانَ لِرَجْعِ الْقَائِمِ وَاِیْقَاظِ النَّائِمِ وَبِہٖ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ. فَلَا بُدَّ مِنْ اَذَانٍ آخَرَ کَمَا فَعَلَہٗ اِبْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ (عینی شرح بخاری جلد ۲ ص۵۵) "بلال رض جو اذان دیتے تھے وہ تہجد پڑھنے والوں کے آرام اور سوتوں کو جگانے کے لیے ہوتی تھی اور ابوحنیفہ رح اس کے قائل ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں کہ ایک اور اذان کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ فجر کے لیے ابنِ امّ مکتوم رض اذان دیتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے امیر کو اجازت ہے کہ سوتوں کو جگانے اور روزہ داروں کو کھلانے کے لیے رات کی اذان یا ڈھول وغیرہ کا کوئی طریقہ مقرر کرے۔"

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوةِ الَّتِیْ تَتَقَدَّمُهَا

نماز کی وہ شرطیں جو نماز سے پہلے کی ہیں،

یَجِبُ عَلَی الْمُصَلِّیْ اَنْ یُّقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْاَحْدَاثِ

نمازی پر واجب ہے کہ پہلے ہر حدث سے اور نجاست سے

وَالْاَنْجَاسِ عَلٰی مَا قَدَّمْنَاهُ وَیَسْتُرَ عَوْرَتَهٗ وَالْعَوْرَةُ

پاک ہوئے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور وہ اپنے ستر کو ڈھانپے اور مرد کا ستر

مِنَ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ اِلَی الرُّکْبَةِ وَالرُّکْبَةُ

(برہنگی) ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا

تجزیۂ الفاظ: شروط: شرط کی جمع تَتَقَدَّمُ: تقدم مصدر سے مضارع۔ پہلے ہوتی ہیں۔ یَجِبُ: واجب (ضروری۔ فرض) ہے مُصَلِّی: نماز پڑھنے والا۔ یُقَدِّم: آگے کرے۔ پہلے کرے۔ (تقدیم مصدر) احداث: حدث کی جمع۔ انجاس: نجس کی جمع۔ یَسْتُرُ: ستر مصدر سے مضارع۔ چھپائے۔ عورت: پردہ۔ سُرَّة: ناف۔ رُکْبَة: گھٹنا۔

۱؎ حدث کی دو قسمیں ہیں۔ پہلا حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونا۔ دوسرا حدثِ اکبر یعنے جنابت (غسل واجب ہونے کی حالت)۔ نماز کے لیے ہر دو قسم کے حدث سے پاک ہونا فرض ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی نجاست (پلیدی) بدن اور کپڑوں میں لگی ہوئی نہ ہو اور نماز پڑھنے کی جگہ صاف ہو۔

۲؎ عورت وہ حصۂ بدن ہے جس کا ڈھانپنا ہر وقت ضروری ہے، عرفِ عام میں اسے ستر کہتے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں اس حصۂ بدن کے کسی جزو سے بھی اگر کپڑا ہٹ جائے تو اس حالت کا نام عریانی ہوگا۔ عورت کا سارا جسم ڈھانپنا ضروری ہے، اسی لیے اُسے عورت کہتے ہیں۔ ستر یا عورت کی رنگت کا نظر آنا ہی ننگا پن نہیں بلکہ اگر کپڑا اس قدر تنگ ہو کہ اس حصۂ جسم یا اس کے کسی جزو کی جسامت نمایاں ہو جائے تو یہ بھی ننگا ہونا ہی کہلائیگا۔ محض اس پر کپڑا ہونے سے اُسے مستور (ڈھانپا ہوا) نہیں کہیں گے۔

۳؎ مجمع الزوائد جلد اوّل صفحہ ۱۶۳ میں ہے: اَلْفَخِذُ مِنَ الْعَوْرَةِ "ران کا ڈھانکنا واجب ہے،" دارقطنی صفحہ ۸۵ میں حضور کا ارشاد مذکور ہے، مَا تَحْتَ السُّرَّةِ اِلَی الرُّکْبَةِ مِنَ الْعَوْرَةِ۔ "ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک ڈھانکنا واجب ہے۔"

عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ وَبَدَنُ الْمَرْاَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ

ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے،

اِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ

سوائے چہرے اور دو ہتھیلیوں[1] کے اور جو مرد کا ستر (ران) ہے

فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَ

وہ باندی کا ستر ہے ہاں باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی

مَا سِوَى ذٰلِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ وَمَنْ لَمْ

ستر میں داخل ہے اور اس کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ ستر نہیں اور جو نہ پائے

يَجِدْ مَا يُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ وَمَنْ

ایسی چیز جس سے وہ نجاست دور کر سکے تو وہ اس کپڑے ہی میں نماز پڑھ لے اور پھر نہ دہرائے اور

لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلّٰى عُرْيَانًا قَاعِدًا يُوْمِيْ بِالرُّكُوْعِ

اور جسے کپڑا نہ ملے وہ نماز ننگے ہی پڑھ لے بیٹھ کر اشارے سے رکوع

مشکل الفاظ: اَلْحُرَّةُ: آزاد عورت۔ وَجْهٌ: چہرہ۔ وجوہ جمع۔ كَفٌّ: ہتھیلی لفین لہ ہتھیلیاں كَفَّيْهَا: اس کی دو ہتھیلیاں۔ اَمَةٌ: لونڈی۔ بَطْنٌ: پیٹ۔ ظَهْرٌ: پیٹھ۔ يُزِيْلُ: ازالہ مصدر زائل (دور) کرے۔ لَمْ يُعِدْ: نہ دہرائے۔ اعادہ سے۔ عُرْيَانًا: ننگا

[1] پاؤں کے متعلق صحیح نظریہ یہی ہے کہ وہ ستر میں داخل نہیں (ہدایہ میں اسی طرح آیا ہے) قاضی خان کی رائے فتاویٰ میں اور ہے اور جامع صغیر میں اور ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے بحر الرائق ج ا ص ۲۸۴۔

[2] اگر کپڑے کا کم از کم ۱/۴ پاک ہو تو اسی میں نماز پڑھے اگر ننگا پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ۱/۴ سے بھی کم کپڑا پاک ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا حکم بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں نمازی کو اختیار ہے چاہے ننگا نماز پڑھے اور چاہے اسی کپڑے میں پڑھے لیکن بہتر یہی ہے کہ کپڑے سمیت پڑھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ننگا نماز پڑھنے کی صورت شاذ و نادر ہی پیش آسکتی ہے۔

وَالسُّجُوْدِ فَاِنْ صَلّٰى قَائِمًا اَجْزَاهُ وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ وَيَنْوِيْ
اور سجدہ کرے اور اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائیگی اور پہلا طریق (بیٹھ کر پڑھنا) افضل ہے
لِلصَّلٰوةِ الَّتِيْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا
اور نیت کرے اس نماز کی جس میں وہ داخل ہو ایسی نیت کہ اس میں اور تکبیر
وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ يُنَافِي الصَّلٰوةَ وَيَسْتَقْبِلُ
تحریمہ کے مابین کسی ایسے عمل کا فاصلہ نہ ہو جو نماز کے خلاف ہو اور قبلے
الْقِبْلَةَ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ خَائِفًا فَيُصَلِّيْ اِلٰى اَيِّ
کی طرف رُخ کرے مگر جب اسے کوئی خوف ہو تو نماز پڑھ لے جدھر
جِهَةٍ قَدَرَ فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ
منہ کر سکتا ہے اور اگر قبلہ اس پر مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس
وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهٖ مَنْ يَّسْئَلُهٗ عَنْهَا اِجْتَهَدَ
کوئی ایسا شخص نہیں جس سے وہ پوچھ سکے تو وہ اجتہاد کرے
وَصَلّٰى فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهٗ اَخْطَاَ بَعْدَ مَا صَلّٰى
اور نماز پڑھ لے۔ اگر اسے بعد میں پتہ چل جائے کہ اس نے غلط رُخ کیا تھا
فَلَا اِعَادَةَ عَلَيْهِ وَاِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَهُوَ فِي
تو اس پر اعادہ نہیں اور اگر اسے حالت نماز میں پتہ چل گیا (کہ قبلہ دوسری
الصَّلٰوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنٰى عَلَيْهَا
طرف ہے) تو وہیں صحیح قبلے کی طرف پھر جائے اور بنا کرے (اپنی اسی پہلی نماز پر)

الفاظ: اَجْزَاهُ: اسے کافی ہوگیا۔ اِجزاءٌ مصدر۔ يَنْوِيْ: نِیّۃ مصدر سے نیت کرے۔
لَا يَفْصِلُ: فصل مصدر سے۔ جُدا نہ کرے۔ اَلتَّحْرِيْمَةُ: سب سے پہلی تکبیر۔ يُنَافِيْ: خلاف ہو۔ منافاۃ مصدر۔
يَسْتَقْبِلُ: رُخ کرے۔ مصدر استقبال۔ جِهَةٌ: طرف۔ رُخ۔
اِشْتَبَهَتْ: اشتباہ مصدر سے ماضی مشتبہ ہوگیا۔ حضرۃ: سامنے۔ پاس۔
اِجْتَهَدَ: اجتہاد مصدر سے ماضی۔ اس نے کوشش کی۔ اَخْطَاَ: خطا کی۔ غلطی کی۔
اعادہ: دُہرانا۔ لوٹانا۔ اِسْتَدَارَ: گھوم گیا۔ بنٰی: بنیاد رکھی۔

لہ نیت کے ضروری ہونے پر سب کا اتفاق ہے (فتح الباری ج ۲ صـ ۱۸۱) درمختار جلد ا صـ ۳۰ میں نیت کے ضروری ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ حَافِظُوْا عَلٰى نِيَّاتِكُمْ فِي الصَّلٰوةِ (مجمع الزوائد ج ا صـ ۱۸۱) "نماز میں اپنی نیتوں کی

بجز ائی کرد"۔ نیت در اصل تو عَقْدُ الْقَلْب کا نام ہے یعنی دِل کا پختہ ارادہ۔ لیکن اگر دِل کی نیت کو مزید تقویت دینے کے لیے زبان سے بھی کہہ لے تو مراقی الفلاح میں اسے مشائخ کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ کہنا لازم نہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ لفظی نیت کی بجائے قلبی نیت کے قائل ہیں اور چونکہ بالعموم عوام کو یکسوئی الفاظ کہنے سے ہوتی ہے اسی لیے مشائخ نے اس پر زور دیا ہے۔ ورنہ نیت کا تعلق تو دِل سے ہی ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

باب صفت الصلوٰۃ

فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ اَلتَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ

فرض نماز کے چھ ہیں (۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳)

وَالْقِرَاءَةُ وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ

قرأت (۴) رکوع (۵) سجود (۶) آخری قعدہ

مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ وَالْخُرُوْجُ مِنَ الصَّلٰوةِ بِصُنْعِ

مقدار تشہد اور نماز سے باہر آنا نمازی کے اپنے

الْمُصَلِّيْ فَرْضٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ لَيْسَ

عمل سے یہ بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے مگر صاحبین

مشکل الفاظ: فرائض: فریضہ کا جمع۔ اَلْقَعْدَۃُ: بیٹھنا۔
بِصُنْعِہٖ: عمل سے۔ تشہد: التحیات پڑھنا۔

بِفَرْضٍ وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ

کے نزدیک یہ فرض نہیں اور ان کے ماسوا جو ہے سنت[1] ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي صَلٰوتِهِ كَبَّرَ

اور جب نمازی نماز میں داخل ہو تو اللہ اکبر کہے اور ساتھ

وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ حَتّٰى يُحَاذِيَ

ہی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کر اپنے دونوں

بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا

انگوٹھے اپنے کانوں[2] کی لو کے برابر لے آئے اور عورت اپنے دونوں ہاتھ

مشکل الفاظ: زاد: بڑھا۔ زیادہ ہوا۔ کَبَّرَ: اللہ اکبر کہا۔ رَفَعَ: اٹھایا۔ بلند کیا
یُحَاذِی: برابر لے آئے۔ ابہام: انگوٹھا۔ شحمہ: لو۔ اُذنین: دو کان۔
اُذنیہ: اس کے دو کان۔

[1] یعنی فرائض نماز کے علاوہ باقی اعمال جو نماز میں ادا کئے جاتے ہیں وہ سنت سے ثابت ہوتے ہیں خواہ ان کا درجہ واجب کا ہو یا محض سنت کا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ سنت سے یہاں درجۂ سنت مراد نہیں ہے بلکہ باقی اعمال کا سنت کے ذریعے سے ثابت ہونا مراد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا، فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت یا آیات پڑھنا، ارکان نماز کی ترتیب قائم رکھنا، دو رکعتوں پر قعدہ کرنا (بیٹھنا) اور آخری قعدے میں تشہد پڑھنا، نماز وتر میں قنوت پڑھنا، اونچی آواز سے پڑھنے والی (جہری) نمازوں میں بآواز بلند پڑھنا اور آہستہ پڑھی جانے والی (سری) نمازوں میں آہستہ پڑھنا۔ یہ سب احکام و اعمال سنت سے ثابت ہوتے ہیں لیکن درجے کے لحاظ سے یہ واجب ہیں کیونکہ ان میں سے اگر کوئی چھوٹ جاتے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

[2] مالکؓ بن حویرث سے روایت ہے کہ حضورؐ نماز شروع فرماتے تو رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ "اپنے ہاتھ کانوں کے برابر لے آتے" دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ "ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر لے آتے"۔ (صحیح مسلم) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے، اور اس سے تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے کیونکہ جن روایات میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر لانا مذکور ہے۔ کانوں کی لو تک ہاتھ لے جانے سے ان پر بھی عمل ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کا مسلک ہاتھوں کا کندھوں تک لیجانا ہے۔

حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا إِجْمَاعًا فَإِنْ قَالَ بَدَلًا مِّنَ

کندھوں کے برابر لائے اور اس پر اجماع ہے[1] اور اگر نمازی نے اللہ

التَّكْبِيْرِ اَللّٰهُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوْ اَلرَّحْمٰنُ

اکبر کی بجائے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اعظم

اَكْبَرُ اَجْزَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ

کہہ دیا تو ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی اور ابو یوسف

اَبُوْ يُوْسُفَ لَا يُجْزِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُ

کہتے ہیں کہ نماز نہ ہو گی جب تک وہ اللہ اکبر یا

مشکل الفاظ: حِذاءَ: سامنے۔ برابر۔ مَنْکِبْ: کندھا۔ مَنْکِبِیْن۔ دو کندھے۔ مَنْکِبَیْہ، اس کے دونوں کندھے۔ بَدَلًا: بجائے۔ بدلے۔ اَجْزَاَہٗ: اسے کافی ہوا۔

[1] طبرانی میں حدیث ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا: وَالْمَرْاَۃُ تَجْعَلُ یَدَیْھَا حِذَاءَ ثَدْیَیْھَا (مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۰۲) "عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں کے بالمقابل لے جائے" یہ حدیث ضعیف ہے لیکن حضرت ام الدرداءؓ صحابیہ کا عمل اس کی تائید کرتا ہے (جزء رفع الیدین امام بخاری ص۱۱)

[2] قرآن پاک میں ہے: ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی (اس نے اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھی) اس آیت کے پیش نظر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی بجائے ان مذکورہ الفاظ کے کہنے سے نماز ہو جائیگی لیکن یہ طریقہ خلاف سنت ہے کیونکہ اس سے تکبیر مسنون ادا نہیں ہوتی گو تکبیر کا لغوی مفہوم اور خدا کا نام ان الفاظ میں بھی موجود ہے۔

تشریح: نماز کے ارکان مختلف آیات سے ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً تکبیر تحریمہ اس آیت سے نکلتی ہے۔ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ "اپنے رب کی بڑائی بیان کر"۔ حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے تَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ (جامع ترمذی) "نماز کی تحریم تکبیر ہے اور اس سے فراغت تسلیم (سلام کہنا) ہے"۔ تکبیر تحریمہ کو تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کہنے سے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور بعض اعمال جو پہلے جائز تھے حرام ہو جاتے ہیں۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار ص۱۹ میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ پہلی تکبیر نہ کہی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ علامہ شعرانیؒ نے رحمۃ الامت ص۱۶ میں فرمایا ہے کہ اِنَّھَا لَا تَصِحُّ اِلَّا بِلَفْظٍ "تکبیر تحریمہ کو زبان سے کہنا ضروری ہے"۔ نماز میں قیام قرآن کی آیت قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ "اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہو جاؤ" سے ثابت ہوتا ہے اور رکوع سجود کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَارْکَعُوْا، وَاسْجُدُوْا سے نکلتی ہے۔

اَکْبَرُ اَوْ اَللّٰہُ الْاَکْبَرُ اَوْ اَللّٰہُ الْکَبِیْرُ

اللہ الاکبر یا اللہ اکبیر نہ کہے

وَیَعْتَمِدُ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی

اور رکھے اپنا دایاں ہاتھ بائیں[1] ہاتھ پر اور رکھے

وَیَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ ثُمَّ یَقُوْلُ

پھر ان دونوں کو ناف کے نیچے اور پھر پڑھے

مشکل الفاظ: یَعْتَمِدُ: تھام لے، رکھ لے (مصدر اعتماد) اَلْیُمْنٰی: دایاں۔ اَلْیُسْرٰی: بایاں۔ اَلسُّرَّۃ: ناف

[1] ہاتھ باندھ کر خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضری دینا شانِ بندگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اپنے دربار کی حاضری کا یہی ادب سکھایا تھا: وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ۔ (پ ۲۰ القصص) "عاجزی کے اظہار کے لیے اپنے بازو کو اپنے جسم سے ملالو۔ طبرانی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہم نبیوں کی جماعت) کو حکم دیا گیا ہے کہ روزہ جلدی کھولیں۔ سحری دیر سے کھائیں اور نماز میں ہاتھ باندھیں (مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۸۳) فتح الباری میں علامہ عسقلانی فرماتے ہیں: اَنَّمَعْهُوْدٌ مِنْ وَضْعِهِمَا حَالَ قَصْدِ التَّعْظِیْمِ فِی الْقِیَامِ۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ہمیشہ سے تعظیم کے قصد سے ہوتا رہا ہے"۔ ابو داؤد میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے دونوں ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے۔ امام مالکؒ نے موطاً میں ہاتھ باندھنے کی روایت اختیار کی ہے۔ امام مالکؒ کی طرف جو یہ نسبت کی گئی ہے کہ وہ ہاتھ کھلے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے قائل تھے (جیساکہ ہدایہ میں لکھا ہے) درست معلوم نہیں ہوتی۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ میں لائق اعتماد راویوں سے منقول ہے کہ حضورؐ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھا کرتے تھے (ابو الطیب شرح ترمذی جلد ۱ ص۲۷۷) ہاں مرد اور عورت میں تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانے میں فرق رکھا گیا ہے اسی طرح ہاتھ باندھنے میں بھی فرق ہے اور عورت نماز میں سینے کے اوپر ہاتھ باندھتی ہے۔ تہذیب الاحکام میں علامہ طوسی نے فقہ جعفری کا یہ حکم لکھا ہے کہ عورت نماز میں سینے کے اوپر ہاتھ باندھے، تَضُمُّ یَدَیْهَا اِلٰی صَدْرِهَا (جلد ۱ ص۱۶۱ باب التکبیرات) امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ نمازی سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھے۔ امام احمدؒ کے نزدیک سینہ پر، ناف سے اوپر اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا روایت ہے یعنی وہ اس باب میں ہر سہ طریق کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کا مسلک موطا میں مذکور ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ ناف سے نیچے باندھنے کے قائل ہیں۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ
اے اللہ تیری ذات پاک ہے خوبیوں والا تیرا نام اور مبارک تیرا نام ہے
وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ وَيَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ
اور تیری شان اونچی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر استعاذہ کرے
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَيَقْرَءُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
یعنی اعوذ باللہ الخ پڑھے اور پھر بسم اللہ پڑھے
الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ
ان دونوں کو آہستہ پڑھے پھر سورہ فاتحہ پڑھے

مشکل الفاظ: سُبْحَان: پاک تَبَارَكَ: بابرکت ہے۔ تَعَالٰی۔ بلند ہوئی۔ جَدُّكَ: تیری شان۔ يَسْتَعِيْذُ: اعوذ الخ پڑھے۔ يُسِرُّ: خفیہ پڑھے۔ آہستہ پڑھے۔ فاتحۃ الکتاب: سورۃ الحمد۔

[1] حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، جناب عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ قرأت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بآواز بلند نہ پڑھتے تھے نہ پہلی قرأت میں اور نہ دوسری میں (صحیح مسلم جلد ۱ صـ۱۷۲) یہی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے یہ سب حضرات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور نسائیؒ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے (منتقی ابن تیمیہ جلد ۲ صـ۸۹) حضرت علی المرتضیٰؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ اور آمین تینوں کو بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے (مجمع الزوائد جلد ۱ صـ۱۸۵) علامہ عینیؒ نے طبرانیؒ، ابونعیمؒ اور ابن خزیمہؒ سے حضرت انسؓ کی صحیح مسلم والی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں كَانُوْا يُسِرُّوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "حضور اکرمؐ اور حضرات خلفائے راشدین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا کرتے تھے" علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں (عینی شرح بخاری جلد ۳ صـ۱۹)

[2] ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ صحابی کا ارشاد ہے کہ ہمیں نماز میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کا کچھ حصہ جو میسر آسکے بالضرور پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے (تلخیص الحبیر جلد ۱ صـ۸۶) حضورؐ کا ارشاد ہے: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا (ابوداؤد جلد ۱ صـ۱۲۶، مسلم جلد ۱ صـ۱۶۹) "سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ حصہ قرآن پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں ہے: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِالْحَمْدِ وَسُوْرَةٍ فِيْ فَرِيْضَةٍ اَوْ غَيْرِهَا (جامع ترمذی جلد ۱ صـ۳۲) فرض نماز ہو یا کوئی اور، سورۃ الحمد اور ایک اور سورت پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی" ۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی تکمیل کے لیے سورۂ فاتحہ اور ایک اور سورت (یا چند آیات) کا پڑھنا ضروری ہے

وَسُوْرَةً مَّعَهَا اَوْ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ قِصَارٍ اَوْ اٰيَةً طَوِيْلَةً

اس کے ساتھ کوئی سورت یا کسی سورت کی جو وہ چاہے (کم از کم) تین

مِثْلَ اٰيَةِ الْكُرْسِيِّ وَاٰيَةِ الْمُدَايَنَةِ مِنْ اَيِّ سُوْرَةٍ

چھوٹی آیات پڑھے یا ایک بڑی آیت جیسے آیت الکرسی یا آیت مداینہ

شَاءَ وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ

اور جب امام ولا الضالین کہے تو آمین بھی کہے اور مقتدی نے

اٰمِيْنَ وَيَقُوْلُهَا الْمُؤْتَمُّ وَيُخْفِيْهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ

آمین کہے اور آہستہ کہے پھر نمازی اللہ اکبر کہے اور رکوع کرے

مشکل الفاظ: قِصَار: قصیرہ کی جمع۔ چھوٹی۔ شَاءَ: اس نے چاہا۔ اَلْمُؤْتَمّ: مقتدی
يُخْفِيْهَا: اسے آہستہ کہے (اخفاء مصدر)

۱؎ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۸) "جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو"۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی صرف امام کی تلاوت سن کر آمین کہنے پر مامور ہے اس کے ذمہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی قرات نہیں۔ یعنی مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے صرف امام سے سن کر آمین کہے۔ نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ میں حضور کا ارشاد مذکور ہے کہ جب تم آمین کہتے ہو تو امام بھی آمین کہ رہا ہوتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آمین کہنا مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) کے ذمہ بھی ضروری ہے۔

۲؎ علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا تو آمین کہی وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ اور آہستہ سے کہی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے (احمدؒ وابو داؤد والطیالسی) قرآن کا ارشاد ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً "اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو" معلوم ہوا کہ دعا کے لیے قرآنی ضابطہ یہی ہے کہ وہ آہستہ ہو اور آمین کے دعا ہونے میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں لہذا اسے بھی آہستہ ہی ہونا چاہیے۔ حضور نے کبھی کبھی بغرض تعلیم بلند آواز سے آمین کہا ہو تو باعث تعجب نہیں کیوں کہ کبھی کبھی آپ قرأت کی تعلیم کے لیے ظہر اور عصر کی نمازوں میں بھی بعض آیات بلند آواز سے پڑھ جاتے تھے حالاں کہ اصولی طور پر ان نمازوں میں قرأت آہستہ پڑھنے کا حکم ہے۔ حافظ ابو البشرؒ دولابی کی روایت سے اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ آمین بالجہر تعلیم کے لیے تھی۔ ۳؎ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ ہر جھکنے، کھڑے ہونے اور بیٹھنے کے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا کرتے تھے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۵)

وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ اَصَابِعَهٗ

اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ دے[1] اور اپنی انگلیاں کھول دے

وَيَبْسُطُ ظَهْرَهٗ وَلَا يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَلَا يُنَكِّسُهٗ وَ

اور اپنی پشت کو پھیلا دے نہ اپنا سر اونچا کرے اور نہ اسے جھکا دے اور

يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثًا

اپنی حالت رکوع میں تین بار کہے سبحان ربی العظیم[2]

وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ سَمِعَ

اور یہ کم سے کم تعداد ہے پھر وہ اپنے سر کو اٹھائے اور

اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَيَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا

سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور پھر مقتدی ہو کر ربنا

لَكَ الْحَمْدُ فَاِذَا اسْتَوٰى قَائِمًا كَبَّرَ وَ

لک الحمد کہے پس پھر جب سیدھا کھڑا ہو تو تکبیر کہے اور

مشکل الفاظ : يَعْتَمِدُ : سہارا لے۔ رکھے۔ پکڑے (اعتماد مصدر)۔ يُفَرِّجُ : کھولے۔ (تفریج مصدر)
اَصَابِع : انگلیاں (اصبع کی جمع)۔ يَبْسُطُ : پھیلائے (بسط مصدر)۔ يُنَكِّسُ : پست کرے (نکس مصدر)
اِسْتَوٰى : سیدھا ہوا (استواء مصدر)

[1] ابوداؤد شریف میں حضورؐ کا ارشاد ہے : اِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو۔ [2] نیل الاوطار جلد ۲ ص ۳۶ میں ہے، کہ حضورؐ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر انگلیاں کھول دیا کرتے تھے۔ [3] بخاری جلد ۱ ص ۱۱۴ میں ہے، کہ حضورؐ رکوع میں اپنے ہاتھ گھٹنوں پر ٹکاتے اور پھر اپنی پشت پھیلا کر جھکا دیتے یعنی سر مبارک کو پشت کے برابر رکھتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ يَعْتَدِلُ فَلَا يَصُبُّ رَاْسَهٗ وَلَا يُقْنِعُ "آپؐ رکوع میں حالتِ اعتدال میں رہتے نہ تو سر کو بہت جھکا دیتے نہ اوپر اٹھاتے تھے۔ [4] ترمذی جلد ۱ ص ۴۶ میں حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ حضورؐ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی کی روایت میں بہ سند حسن ان تسبیحات کی تعداد تین تین آتی ہے (آثار السنن)

سَجَدَ وَاعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ وَ
سجدہ کرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور

وَضَعَ وَجْهَهٗ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَسَجَدَ عَلٰى
اور اپنے چہرے کو اپنی دو ہتھیلیوں[1] کے درمیان رکھے اور اپنی ناک اور اپنی پیشانی

اَنْفِهٖ وَجَبْهَتِهٖ فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى اَحَدِهِمَا
پر سجدہ کرے پس اگر اس نے ان دو میں سے صرف ایک پر

جَازَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَجُوْزُ
اکتفا کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز ہو جائے گی اور صاحبین کہتے ہیں کہ

الْاِقْتِصَارُ عَلَى الْاَنْفِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ
ناک پر بلا عذر اکتفا کرنا جائز نہیں

وَاِنِ اكْتَفٰى عَلَى الْجَبْهَةِ يَجُوْزُ بِالْاِجْمَاعِ
اور اگر اس نے صرف پیشانی پر اکتفا کی تو یہ بالاتفاق جائز ہے

مشکل الفاظ: وجهه: اس کا (اپنا) چہرہ۔ كفيه: اس کی ہتھیلیاں۔ کفین کف کی تثنیہ ہے۔ اضافت سے ن گر گیا۔ انف: ناک جبهة: پیشانی اقتصر: اکتفا کی۔ کافی سمجھا۔ اِكتفىٰ: اکتفا کی۔ کافی سمجھا۔

[1] حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرمؐ سجدے میں اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھتے تھے (ترمذی جلد ۱ ص۳۷) [2] علامہ شامیؒ نے المغرب سے نقل کیا ہے کہ سجدہ کا معنی ہے۔ وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ "پیشانی کو زمین پر رکھنا" (ردالمختار شامی جلد ۱ ص۵۶۵) حدیث میں ہے کہ مَنْ لَّمْ يُلْزِقْ اَنْفَهٗ مَعَ جَبْهَتِهٖ بِالْاَرْضِ اِذَا سَجَدَ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُهٗ (مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۹۲ بروایت طبرانی) "جو شخص سجدے کی حالت میں اپنی ناک کو پیشانی سمیت زمین سے نہ ملائے اس کی نماز درست نہ ہوگی"۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے اور عذر کے بغیر صرف ناک یا صرف پیشانی پر سجدہ کرنا مکروہ ہے درمختار میں ہے، وَكُرِهَ الْاِقْتِصَارُ عَلٰى اَحَدِهِمَا "ان میں سے ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے"۔

[3] شامی جلد اول ص۴۶۵ میں ہے: هٰذَا قَوْلُهُ الْاَوَّلُ وَقَدْ صَحَّ عَنْهُ الرُّجُوْعُ۔ "یہ امام صاحب کا پہلا قول ہے اور ان کا اس سے رجوع کرنا صحیح دلائل سے ثابت ہو چکا ہے"۔

[4] یعنی اس کا فرض ادا ہو جائیگا کامل سجدہ نہیں ہوگا اس کے لیے لازم ہے کہ ناک بھی پیشانی کے ساتھ شامل ہو (مسلم جلد ۱ ص۱۶۳)

فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ أَوْ عَلَى فَاضِلِ ثَوْبِهِ
اور اگر اس نے اپنی پگڑی کے پیچ یا اپنے زائد کپڑے پر سجدہ کیا

جَازَ وَلٰكِنْ يُكْرَهُ وَيُبْدِي ضَبْعَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ
تو یہ بالکراہت جائز ہے اور نمایاں (کشادہ) رکھے اپنے دوبازو اپنے دونوں بازوؤں سے

وَيُجَافِي بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَ
سے اور دور رکھے اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے اور اپنے دونوں پاؤں

رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ
کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے اور اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی

رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلٰثًا وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ
تین دفعہ کہے اور یہ کم سے کم مقدار ہے پھر وہ اپنا سر اٹھاتے

مشکل الفاظ: کَور: پیچ فاضل، فالتو۔ زائد یُبْدِی: ظاہر کرے۔ الگ رکھے دور رکھے (ابداء مصدر) ضبعیہ: اسکی (اپنے دو بازو)۔ یُجافِی: الگ رکھے (تجافا مصدر)
فخذیہ: اس کی (اپنی دو رانیں) فخذین تثنیہ ہے فخذ کی۔ ن بوجہ اضافت گر گیا۔
یُوَجِّہ: متوجہ کرے (توجیہ مصدر) رجلیہ: اس کے (اپنے) دو پاؤں۔

لہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جَافِ مِرْفَقَيْكَ عَنْ جَنْبَيْكَ اپنی کہنیاں دونوں پہلوؤں کے جدا رکھو۔ اس حدیث کو طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے، (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۲۷)

لہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حالت سجدہ میں مومن کے تمام اعضا شامل سجدہ ہوتے ہیں۔ پس تمام اعضاء کو جہاں تک ہو سکے قبلہ رُو رکھنا چاہیئے۔ حضورؐ بھی اپنی انگلیاں قبلہ رو رکھا کرتے تھے (درایہ صفحہ ۵)

لہ امام احمدؒ نے مسند میں عقبہ بن عامر جہنی سے روایت کیا ہے کہ جب سَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قرآن میں نازل ہوئی تو حضورؐ نے اسے رکوع میں رکھنے کا حکم دیا اور جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو حضورؐ نے اسے سجدوں میں پڑھنے کا حکم دیا (الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۱۶۸)

لہ مسند بزار اور طبرانی کی روایت کے مطابق حضورؐ سے تین دفعہ پڑھنا ثابت ہوا ہے، (آثار السنن جلد ۱ صفحہ ۱۱۴) لیکن مسند احمدؒ کی گذشتہ حدیث میں کوئی تعداد معین نہیں ہے، لہذا تین دفعہ سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے لیکن طاق عدد (پانچ یا سات، مثلاً) ہونا چاہیئے۔ درمختار میں ہے کہ رکوع اور سجدے میں تسبیح کے سوا کچھ نہ پڑھنا چاہیئے اگر کہیں اس کے سوا ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نفل نماز میں ہے کیونکہ نوافل میں کافی گنجائش ہوتی ہے۔ رکوع

اور سجدے میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے (مسلم جلد ۱ ص) رکوع اور سجدہ عاجزی کے انداز ہیں پس اس حالت میں قرأت قرآن نہ ہونی چاہیئے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ جلد ۲ ص۵۵ میں فرمایا ہے کہ قرآن کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے رکوع اور سجدے میں نہ پڑھا جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک چونکہ خدائی کتاب ہونے کی وجہ سے "امامت" کی شان رکھتا ہے: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰىٓ اِمَامًا وَّرَحْمَةً، لہٰذا اسے امام ہی کو پڑھنا چاہیئے تاکہ اس کی شانِ امامت پر حرف نہ آئے اور مقتدی اسے نہ پڑھے کیونکہ وہ "ماتحت" ہے اور اس کے ظرف میں آنا قرآن کی "شانِ امامت" کے خلاف ہے۔

رَاْسَهٗ وَيُكَبِّرُ وَيَجْلِسُ فَاِذَا اطْمَاَنَّ جَالِسًا

اور اللہ اکبر کہے اور بیٹھ جائے اور جب سیدھا بیٹھ جائے تو اللہ اکبر کہہ

كَبَّرَ وَسَجَدَ فَاِذَا اطْمَاَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ

کر پھر سجدہ کرے اور پھر جب سجدے میں اطمینان کرے تو اللہ اکبر کہے

وَاسْتَوٰى قَائِمًا عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَا

اور اپنے دونوں پاؤں کے پنجوں پر سیدھا کھڑا ہو جائے اور نہ بیٹھے

يَقْعُدُ وَلَا يَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ

اور سہارے کے نزدیک اپنے دو ہاتھ زمین پر نہ رکھے

وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ

رکعت میں بھی اسی طرح جس طرح کہ پہلی رکعت میں اس نے

مشکل الفاظ: رأسَهٗ: اس کا (اپنا) سر اطمأنّ: مطمئن ہوا، سیدھا ہوا۔
صُدُور: پنجے (صدر کی جمع) لا یقعُدُ: نہ بیٹھے (قعود مصدر)

ؔلہ ترمذی جلد ۱ صفہ ۴۰ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دیہاتی آدمی کی نماز کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا تھا: ثُمَّ اسْجُدْ فَاعْتَدِلْ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ فَاطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ قُمْ. پھر سجدہ کرو اور اسی حالت میں اطمینان کرو پھر بیٹھ جاؤ حتیٰ کہ اس حالت میں اطمینان ہو جائے۔ پھر اٹھ کھڑے ہو۔ اس حکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنے کا حکم نہیں بلکہ اٹھنے کا ہے۔

ؔلہ پہلا سجدہ یہ بتاتا ہے کہ ہماری ابتداء مٹی سے ہوتی تھی۔ دوسرا سجدہ اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ آخرکار اسی مٹی میں سما جانا ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى. "ہم نے تمہیں اسی زمین سے پیدا کیا اور پھر اسی میں لوٹائیں گے اور دوسری مرتبہ پھر اس سے نکال کھڑا کریں گے" دوسرے سجدے سے اٹھنا حشر کے لیے اٹھنے کا تصور پیش کرتا ہے۔ دو سجدوں کے درمیان کا مختصر وقفہ دنیوی زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔

ؔلہ عبدالرحمان بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلی اور تیسری رکعت سے اٹھتے وقت اپنے دونوں پاؤں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ اس حدیث کو طبرانی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے (آثار السنن جلد ۱ صفہ ۱۲۱) ابوداؤد میں صحابہؓ کے متعلق اس موقع پر لَمْ يَتَوَرَّكْ کے الفاظ آئے ہیں یعنی وہ بیٹھتے نہ تھے"۔ ؔلہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی نماز میں سجدہ سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اٹھے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفہ ۱۴۳)

فِی الْاُوْلٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا یَسْتَفْتِحُ وَلَا یَتَعَوَّذُ وَ
کیا تھا گر یہ کہ وہ (اس دوسری رکعت میں) نہ ثنا پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پڑھے

لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی
اور ہمارے نزدیک وہ رفع یدین نہ کرے سوائے تکبیرہ اولیٰ کے

عِنْدَنَا فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ السَّجْدَۃِ
پس جب وہ دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر

الثَّانِیَۃِ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ اِفْتَرَشَ رِجْلَہٗ
اٹھائے تو بایاں پاؤں

مشکل الفاظ: لَا یَسْتَفْتِحُ: ثنا نہ پڑھے (مصدر استفتاح۔ شروع کرنا، ابتداء کرنا)

لا یتعوّذ: اعوذ باللہ نہ پڑھے اِفْتَرَشَ: پھیلا دیا (افتراش مصدر)

لہ جامع ترمذی جلد ا صـ۳۵ میں ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر دکھائی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ " تو آپ نے تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور پھر ساری نماز میں رفع یدین نہ کیا" الجوہر النقی جلد ا صـ۱۳۷ میں اس حدیث کے راویوں کو صحیح مسلم کے راوی قرار دیا ہے، امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانے کے بعد ساری نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ درایہ صـ۸۵ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں " رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ ۔ ابوداؤد میں رکوع کے متعلق حضورؐ کی تعلیم یوں درج ہے: اِذَا رَکَعْتَ فَضَعْ رَاحَتَیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ "جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو" معلوم ہوا کہ تعلیم نبوت یہی ہے کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیئے جائیں اگر اس سے پہلے رفع یدین ضروری ہوتا تو حضورؐ پہلے اس کا ذکر فرماتے اور پھر رکوع کا طریقہ ارشاد فرماتے چونکہ ایسا نہیں کیا لہٰذا قیام کے بعد اور رکوع سے پہلے رفع یدین نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ حضورؐ قیام اور رکوع کے درمیان ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتے اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ موقع تعلیم کا تھا۔ امام طحاویؒ نے سند صحیح سے رفع یدین کی مشہور حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل نقل فرمایا ہے کہ وہ خود رفع یدین نہیں کرتے تھے اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے عموم کو توڑ دیتا ہے (کم از کم) قرآن کہتا ہے: قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ " اللہ کے حضور میں عاجزی سے کھڑے رہو" اور ظاہر ہے جتنی حرکتیں زیادہ ہوں اتنا ہی عاجزی میں فرق پڑتا ہے لہٰذا ادب و قنوت کا تقاضا یہی ہے کہ اوپر کی احادیث کے مطابق ایک دفعہ نیت باندھ کر عاجزی سے کھڑے

رہیں اور بار بار زبان حرکتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔
نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم رکھو" اس آیت کے پیش نظر نماز میں ذکر ہمیشہ حرکت پر غالب
رہنا چاہیئے لیکن اگر رکوع کے وقت رفع یدین بھی کریں تو ذکر ایک ہوگا اور حرکتیں دو ہو جائیں گی
(یعنی ایک قیام کے رکوع میں انتقال کی حرکت اور دوسری رفع یدین کی حرکت) اور اس کا
نتیجہ یہ ہوگا کہ حرکت ذکر پر غالب آجائیگی جو اس آیت کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

الْيُسْرَىٰ وَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَىٰ نَصْبًا

پھیلاوے اور اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں سیدھا کھڑا کردے

وَوَجَّهَ اَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ

اور اپنی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف پھیردے اور اپنے

عَلٰى فَخِذَيْهِ وَيَبْسُطُ اَصَابِعَهُ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ

دونوں ہاتھ اپنی دو رانوں پر رکھ دے اور اپنی انگلیاں کھلی رکھے

وَالتَّشَهُّدُ اَنْ يَقُوْلَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ

اور پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ التحیات

وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ

لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ الله

اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ

وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد الله

الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ

الصالحین اشهد ان لا اله الا الله واشهد

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَزِيْدُ

ان محمدا عبدہ ورسولہ اور زیادہ پڑھے

مشکل الفاظ: یمنیٰ: دایاں۔ یسریٰ: بایاں نصب: کھڑا کرنا

تشہد: التحیات پڑھنا۔ تحیات: زبانی عبادتیں۔ صلوات: بدنی عبادتیں۔ طیبات: مالی عبادتیں۔
اشہد: میں گواہی دیتا ہوں۔

عَلٰی ھٰذَا فِی الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰی وَیَقْرَأُ

اس سے آگے) پہلے قعدہ میں اور پڑھے پچھلی

فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ

پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ

خَاصَّةً فَاِذَا جَلَسَ فِیْ اٰخِرِ الصَّلٰوةِ

اور جب بیٹھے نماز کے آخر میں تو (اس طرح) بیٹھے جیسے کہ بیٹھا تھا پہلے قعدہ میں

جَلَسَ کَمَا جَلَسَ فِی الْاُوْلٰی وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰی

اور تشہد (التحیات سے عبدہٗ و رسولہٗ) پڑھے اور (پھر) نبی

عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا

کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے (اور (پھر) دعا

بِمَا شَاءَ مِمَّا یُشْبِهُ اَلْفَاظَ الْقُرْاٰنِ وَالْاَدْعِیَةِ

مانگے ان لفظوں سے جو قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں اور ان

الْمَاثُوْرَةِ وَلَا یَدْعُوْ بِمَا یُشْبِهُ کَلَامَ النَّاسِ

الفاظ سے دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں

مشکل الفاظ : القعدة : بیٹھنا ۔ الاُولٰی : پہلا ۔ اُخریین : دو پچھلی ۔ فاتحة الکتاب : سورۂ الحمد ۔ خاصّةً : بالخصوص، صرف ۔ یشبه : مانند ہے، مشابہ ہے ۔ ادعیہ : دعا کی جمع ۔ الماثورہ : ثابت شدہ (اثر سے)

لہ مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ : فَقَضَى حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی تشہد سے فارغ ہوتے ہی تیسری رکعت کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے ۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

ٹہ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ میں ہے کہ : فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھنی چاہیئے ۔

ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ يَقُوْلُ اَلسَّلَامُ

پھر (وہ) سلام پھیر دے دائیں طرف اور کہے السلام

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَيُسَلِّمُ عَنْ

علیکم ورحمۃ اللہ اور (پھر) سلام پھیرے

يَّسَارِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي

اسی طرح بائیں جانب اور قرات میں جہر کرے

الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ

فجر کی نماز میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِنْ كَانَ اِمَامًا وَيُخْفِي

رکعتوں میں اگر وہ امام ہو اور قرأت آہستہ

الْقِرَاءَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْاُوْلَيَيْنِ وَاِنْ كَانَ

کرے پچھلی رکعتوں میں اور اگر وہ

مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ جَهَرَ

(نمازی) منفرد (اکیلا) ہو تو اسے اختیار ہے چاہے جہر کرے اور اپنے

وَاَسْمَعَ نَفْسَهٗ وَاِنْ شَاءَ خَافَتَ وَيُخْفِي

تیئں سنا دے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے

مشکل الفاظ: يُسَلِّمُ: سلام کہے تسلیم مصدر سے۔ يَجْهَرُ: آواز بلند پڑھے۔ يُخْفِي: مخفی کرے آہستہ پڑھے۔
مُنْفَرِد: اکیلا۔ مُخَيَّرٌ: اختیار دیا ہوا مختار۔ اَسْمَعَ: سنایا۔ خَافَتَ: آہستہ پڑھا۔

الاِمَامُ الْقِرَاءَةَ فِی الظُّهْرِ وَالعَصْرِ وَالوِتْرُ

اور ظہر اور عصر کی قرأت امام آہستہ پڑھے اور وتر لے

مشکل الفاظ: اَلقِرَاءَۃ، پڑھنا یخفی مخفی کرے۔ آہستہ پڑھے۔

لے نمازِ وتر کے متعلق فقہ کے اماموں میں بہت اختلاف ہوا اور کئی جہتوں سے ہوا ہے۔ یہاں اس نماز کی حیثیت، رکعات کی تعداد، دو رکعت پر قعدہ اور دعائے قنوت کے متعلق بعض اختلافات کا ذکر کیا جاتا ہے (۱) جہاں تک وتر کی حیثیت کا تعلق ہے امام اعظمؒ کے نزدیک یہ واجب ہیں اور یہی امام حسن بصریؒ کا مسلک ہے، دوسرے آئمہ کے نزدیک وتر سنت ہیں (۱۱) تعداد رکعات کے متعلق حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک رکعات وتر کم از کم تین ہیں لیکن اس سے زیادہ بھی جائز ہیں۔ امام شافعیؒ کے ہاں وتر کی رکعات ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ یک ہیں تیرہ کے عدد میں اختلاف ہے لیکن محدث سبکیؒ اس تعداد کے قائل ہیں۔ قاضی ابو طیبؒ شافعی نے فقہ شافعیہ کی مشہور کتاب "الروضۃ" میں فرمایا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا مکروہ ہے (۱۱۱) احناف کے نزدیک ہر دو رکعت پر قعدہ واجب ہے۔ لہذا وتر دو قعدوں سے ادا ہوتے ہیں۔ لیکن شافعی حضراتؒ کے نزدیک تینوں وتر ایک قعدہ سے ادا ہو سکتے ہیں یعنی پہلا قعدہ نہ کرنا اور صرف تیسری رکعت کے بعد بیٹھنا جائز ہے (۱۱۱۱) احناف کے نزدیک دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے (چاہے پڑھنے والا امام ہو) اور اس کا موقع تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے۔ شافعیہؒ کے نزدیک دعائے قنوت بآواز بلند اور رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ان چاروں امور کے متعلق احناف کے دلائل مختصراً یہ ہیں:

۱ وتر کا واجب ہونا: ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۵۳۴ میں ہے حضورؐ نے فرمایا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا۔ حضورؐ کے یہ الفاظ وتر کے واجب ہونے کی قوی دلیل ہیں کیوں کہ اس سے کم حیثیت کی نماز کے متعلق اتنے تاکیدی الفاظ حدیث میں نہیں آئے۔ مستدرک جلد ۱ صفحہ ۳۰۶، اور طبرانی میں بسند حسن (حسب بیان الدرایہ صفحہ ۱۱۱) حضورؐ کی حدیث منقول ہے: اِنَّ اللّٰہَ اَمَدَّکُمْ بِصَلٰوۃٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ وَھِیَ الْوِتْرُ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک اور نماز بڑھائی ہے جو سرخ اونٹوں سے بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے۔ یہ تاکیدی ارشاد بھی وتر کے وجوب کا پتہ دیتا ہے۔ مسند احمدؒ صحیح ابن حبان اور دار قطنی ج ۱ صفحہ ۱۱۱ وغیرہ میں وتر کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے: اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ: وتر ضروری ہیں ہر مسلم پر واجب ہیں۔ نیل الاوطار ج ۲ صفحہ ۲۶۳ میں حضورؐ کی حدیث ہے کہ اگر صبح ہو

ہو جائے اور وتر نہ پڑھے ہوں تو انھیں پھر بھی پڑھنا چاہیے۔ قضا کرنے کے حکم سے بھی وتر کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی گیارہ رکعت والی تہجد کی مشہور روایت میں صراحتہً آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل (تہجد) اور تین رکعت وتر مذکور ہیں لیکن بعض صحابہؓ ساری تہجد کی نماز کو وتر کے نام سے پکارتے تھے مثلاً عبداللہ بن عمرؓ۔ حضورؐ دو دو رکعت کر کے نماز تہجد ادا فرماتے تھے جب فجر کا خطرہ پیدا ہوتا تو آخری دو رکعتوں کے ساتھ تیسری ملا کر اُسے وتر شمار کرتے۔ لیکن بعض راویوں نے اس طرح کی پڑھی ہوئی ساری نماز کو بھی وتر کے نام سے پکارا ہے حالانکہ حقیقت میں اس طرح بھی نماز وتر تین رکعت ہی ہوتی تھی اور بعض دوسرے حضرات کہتے کہ وتر صرف وہی ایک رکعت ہے جسے آخری دو رکعتوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو عملی طور پر ان مختلف تعبیرات سے عملاً کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ عملی طور پر وتر کی رکعات حسب بیان حدیث تین ہی ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں یہ صرف تعبیر کا اختلاف تھا مگر افسوس بعد میں اس کے نتیجے میں وتر کی نماز کی رکعات ہی ایک اختلافی مسئلہ بن گئیں حالاں کہ حضورؐ سے تین رکعت سے کم وتر کسی صحیح روایت میں نہیں آئے اور جہاں سات یا نو رکعت منقول ہیں اُن سے مُراد حسب بیان حدیث چار رکعت تہجد اور تین وتر یا چھ رکعت تہجد اور تین وتر ہیں۔

۳۔ جہاں تک دو رکعات پر قعدہ کا تعلق ہے اس کے دلائل قوی ہیں صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ میں حضورؐ کا ارشاد ہے: فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةُ "نماز کی ہر دو رکعت پر التحیات ہے"۔ بعض روایات میں التحیات کی بجائے تسلیم کے الفاظ ہیں جن سے مراد التحیات کا سلام (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) ہے۔ آخری سلام نہیں کیوں کہ وہ تو نماز کے اختتام پر ہی ہوتا ہے۔ تشہد، سلام التحیۃ کے الفاظ سے مُراد درمیانہ قعدہ ہی ہے صرف الفاظ مختلف ہیں۔ بہرحال ہر دو رکعت پر قعدہ کرنا ارشادِ نبویؐ ہے۔ حدیث کے الفاظ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى (البخاری) رات کی نماز دو رکعت ہوتی ہے۔ کا معنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر دو رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھنا چاہیے (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۹۰) ان تمام دلائل سے ثابت ہو گیا کہ وتر کی دو رکعتوں پر قعدہ واجب ہے اور اس نماز کا کوئی الگ حکم اس باب میں نہیں ہے۔ ایک بہت بڑے تابعی ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے اصحابؓ نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ اِنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ غَيْرَ اَنَّا نَقْرَأُ فِي الثَّالِثَةِ فَهٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳) آثار السنن میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے ("یقیناً وتر نماز مغرب کی مانند ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ

وتر میں تیسری رکعت میں بھی سورۃ الفاتحہ کے ساتھ اور سورت ملانے کا حکم ہے اور مغرب کی تیسری رکعت میں ایسا نہیں ہے) نمازِ مغرب دن کی وتر نماز ہے، اور وتر رات کی وتر نماز ہے۔" یہ ابو العالیہؒ حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں جیسا کہ تہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ میں ہے۔ ان کے اس ارشاد سے بھی وتر کا عام نمازوں کی مانند ہونا ثابت ہوا پس اس کی دو رکعت پر قعدہ نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۴۔ نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ الجوہر النقی جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ میں ہے کہ صحابہؓ کا بھی یہی دستور تھا کہ وہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔ البحر الرائق ج ۲ صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے خَیْرُ الدُّعَاءِ الْخَفِیُّ (بہترین دعا وہی ہے جو آہستہ مانگی جائے) وتر کی قنوت بھی دعا ہے لہٰذا اُسے اُسے بھی آہستہ ہی پڑھنا چاہیئے۔

ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ

تین رکعتیں ہیں جو ملی (اکٹھی) ہوں ان میں سلام پھیرنے سے فصل (جدائی) نہ کرے

وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ فِي جَمِيْعِ

اور تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھے رکوع سے پہلے

السَّنَةِ وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ

سارا سال اور وتر کی ہر رکعت میں سورت فا

فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ

فاتحہ پڑھے مع کسی سورت کے اور جب دعائے قنوت کا ارادہ

يَّقْنُتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَنَتَ وَلَا يَقْنُتُ فِي

کرے تو اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کرے اور پھر دعائے قنوت پڑھے اور اس کے سوا کسی

مشکل الفاظ ، لَا يَفْصِلُ : فاصلہ نہ کرے ۔ جدا نہ کرے ۔ يَقْنُتُ : دعائے قنوت پڑھے ۔ نازلہ : مصیبت

سَنَة : سال كَبَّرَ : تکبیر کہی رَفَعَ : اٹھایا ۔ بلند کیا ۔

[1] نازلہ مصیبت کو کہتے ہیں قنوتِ نازلہ کا منشے ہے ۔ مصیبت کے وقت کی دعا ۔ یہ دعا عام حالات میں نہیں پڑھی جاتی صرف مصائب سے مخصوص ہے ۔ چنانچہ حضورِ اکرمؐ نے ایک ماہ تک ان مشرک قبائل (رعل ، ذکوان ، اور عصیہ) کے خلاف نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھی تھی جنہوں نے آپؐ کے بھیجے ہوئے مبلغوں کو فریب اور ظلم و ستم سے شہید کر ڈالا تھا ۔ پھر آپ نے یہ دعا ترک کر دی تھی ۔ آپ کے عمل سے ثابت ہو گیا کہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا صرف نازلہ (مصیبت) کے ساتھ خاص ہے ۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۰ میں ابن خزیمہ کی ایک صحیح روایت بیان کی ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا حضورؐ مصائب کے مواقع کے علاوہ قنوت نہیں پڑھتے تھے (یعنی نمازِ فجر میں) ابو مالکؒ تابعی کا بیان ہے ، کہ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا آپ حضورؐ اور خلفائے راشدینؓ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں کہ یہ حضرات (نمازِ فجر میں) دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے ؟ تو انہوں نے فرمایا بیٹا ! یہ بدعت ہے " ۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۵۳ ، ابن ماجہ صفحہ ۸۹) ان کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ حضرات عام حالات میں التزام اور ہمیشگی کے ساتھ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے !

صَلٰوۃٍ غَیْرِھَا وَلَیْسَ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوۃِ

نماز میں قنوت[1] نہ پڑھے اور کسی ایک ہی کسی ایک خاص سورت کی قرات (لازم) نہیں

قِرَاءَۃُ سُوْرَۃٍ بِعَیْنِھَا لَا یَجُوْزُ غَیْرُھَا وَیُکْرَہُ

کہ اس کے سوا کوئی اور (سورت) جائز نہ ہو یہ مکروہ

اَنْ یَّتَّخِذَ قِرَاءَۃَ سُوْرَۃٍ بِعَیْنِھَا لِلصَّلٰوۃِ لَا

ہے کہ (نمازی) کسی ایک معین سورت کو کسی ایک نماز کے لیے لازم کرے کہ

یَقْرَأُ فِیْھَا غَیْرَھَا وَاَدْنٰی مَا یُجْزِیْ مِنَ

اس میں کوئی اور سورت نہ پڑھے اور کم از کم مقدار میں نماز میں

الْقِرَاءَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ مَا یَتَنَاوَلُہٗ اِسْمُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ

قرأت کے لیے کافی ہو وہ امام صاحب کے نزدیک اتنی ہے کہ اس پر قرآن

اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ لَا یَجُوْزُ

کا نام آ سکتا ہو اور صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی

مشکل الفاظ : بِعَیْنِھَا : وہی۔ خاص یَتَّخِذَ : پکڑے۔ بناتے۔ یَتَنَاوَلُ : شامل ہو۔ آ سکتا ہو۔

[1] جو چیز شریعت نے لازم نہیں ٹھہرائی اُسے لازم کر لینا اِلْتِزَامُ مَا لَا یَلْزَمُ کہلاتا ہے۔ بلا دلیل شرعی کسی نماز کے لیے اپنی طرف سے کسی سورت کو لازم ٹھہرا لینا اسی قاعدے میں داخل ہے اس لیے جائز نہیں۔ جو چیز دین میں سے نہیں اُسے داخل دین بنا لینا بدعت کہلاتا ہے پھر اگر یہ فعل صرف عملی حد تک ہو تو عملی بدعت کہلائیگا اگر اعتقادی حد تک پہنچ گیا تو اور بھی شدید ہو گیا۔ غرض ظنی اور جیسی پابندیاں بلا حکم و دلیلِ شرع لگائی جائیں گی وہ اپنے اپنے درجے کے لحاظ سے بدعت ہوں گی۔ بدعت عام طور پر مکروہ تحریمی ہے لیکن اعتقاد کی حد تک پہنچ جاتے تو اس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہو جائیگا۔ مثلاً ایصالِ ثواب جائز ہے لیکن جہاں شرع نے اس کی کوئی خاص کیفیت اور خاص طریقہ نہیں ٹھہرایا وہاں دن، وقت یا خاص خاص چیزوں کی مقدار و تعداد وغیرہ خود بخود مقرر کر لینا۔ اور اس تعین کو لازم سمجھنا، اس پر بحث و مناظرہ کرنا، اسے نہ ماننے والوں کو بُرا بھلا کہنا بلکہ فتویٰ بازی کرنا اور اس پر فرقہ بازی کی بنیاد رکھ لینا یہ سب چیزیں التزام مالا یلزم (بالفاظ دیگر بدعت) میں داخل ہیں۔

اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِ اٰیَاتٍ قِصَارٍ اَوْ اٰیَةٍ طَوِیْلَةٍ وَلَا یَقْرَاُ

آیت سے کم مقدار قرأت سے نماز جائز نہیں اور

مشکل الفاظ : اَقَلُّ : کم قِصَار : چھوٹی چھوٹی۔ طَوِیْلَة : لمبی

لہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت قرآن نہیں کرنی چاہیے۔ امام نسائی نے اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ "جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سُنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے" سورۂ اعراف کی اس آیت کو صحاح ستہ کے ایک عظیم الشان امام نے بطور عنوانِ باب پیش کیا ہے جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ امام نسائیؒ کے نزدیک اس کے مخاطب اہل اسلام ہیں اور اس کا تعلق نماز سے ہے۔ تفسیر والوں نے ہر قسم کی اور ہر درجہ کی روایات اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں لہٰذا کسی مفسر کا یہ کہنا کہ یہ آیت کافروں کے لیے اتری تھی اور مسلمان اس کے مخاطب ہی نہیں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ امام اہل سنت احمدؒ بن حنبل (امام بخاریؒ کے اُستاد) کا یہ مشہور ارشاد مغنی ابن قدامہ ص۶۰۵ زیلعی جلد۲ ص۱۴ اور فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲ ص۱۴۳ و ص۴۱۲ میں موجود ہے کہ: اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰی اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ فِی الصَّلٰوةِ "اس امر پر سب کا اجماع (اتفاق) ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے"۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا "جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور کان لگا کر سنو! یہ روایت مسلم جلد ا ص۱۷۴، اور مسند احمد ج ۴ ص۴۱۵ میں موجود ہے۔ بعینہٖ یہی روایت ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے آئی ہے جس کے متعلق امام مسلم کا ارشاد ہے کہ، هُوَ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ "وہ میرے نزدیک صحیح ہے"! امام مسلم کا ابوموسیٰ اشعری کی روایت کو اپنی صحیح میں درج کرنا اور ابوہریرہؓ کی روایت کی صحت کی تصدیق کرنا ثابت کر دیتا ہے کہ اوپر والی قرآن کی آیت میں نماز ہی کے متعلق ہے۔ غنیۃ الطالبین میں سیدنا الشیخ عبدالقادرؒ الجیلانی نے حدیث وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا کو اس ترتیب سے درج کیا ہے کہ: جب امام پڑھے تو خاموشی سے سنو اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو"۔ اگر مقتدی اور امام سب پڑھنے کے حکم میں داخل تھے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ جب تم ... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ الخ پڑھو تو آمین کہو! لیکن پڑھنے کے متعلق صرف امام کا ذکر ہوا ہے کہ جب وہ پڑھے یعنی پڑھنا تو صرف امام کا ہی کام ہے! لہٰذا جب وہ یہ الفاظ پڑھے تو یوں کہو! فتح القدیر جلد ا ص۲۹۵ میں ہے کہ امام احمد بن منیع نے امام مسلم کی شرطوں کے مطابق [illegible] ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ "جو امام کے پیچھے

نماز پڑھ رہا ہے امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے" موطا امام محمدؒ صفحہ ۹۶ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَۃَ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ "جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت اس کے لیے بھی قرأت ہے (یعنی مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں ہے) علامہ عینیؒ نے موطا کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۹ غالباً حضورؐ کے اسی ارشاد کا نتیجہ تھا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ سورت فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ ہرگز نہیں (ترمذی جلد ا صفحہ ۴۲، موطا امام مالکؒ صفحہ ۲۹) اور یہی وجہ ہے کہ حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا معنیٰ محدثین نے یہ بیان کیا ہے، اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ "جب نمازی اکیلا ہے" (ترمذی جلد ا صفحہ ۴۲، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۱۹) پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث اکیلے ہونے کی حالت کے متعلق ہے اور اوپر والی حدیثیں مقتدی کے لیے ہیں کیونکہ ان میں صاف طور پر یہ صراحت موجود ہے اور یہ حدیث امام اور مقتدی کے ذکر سے خاموش ہے۔
حضرت زیدؓ بن ثابت، (کاتب وحی رسولؐ) فرماتے ہیں: لَا قِرَاءَۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ۔ امام کے ساتھ قرأت بالکل ہی نہیں"۔ یعنی نہ سورۂ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورت پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے در اصل جماعت کی نماز ایک ہی ہوتی ہے اور قرآن کی آیت اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ اس کی دلیل ہے کیونکہ اس میں نماز جمعہ کو ایک ہی نماز فرمایا گیا ہے۔ پس ایک نماز میں ایک ہی سورۂ فاتحہ ہونی چاہیے جو امام پڑھ رہا ہے اور اوپر کے دلائل اس پر شاہد عدل ہیں! (واللہ اعلم)۔

الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ وَمَنْ أَرَادَ الدُّخُولَ

مقتدی قرآن نہ پڑھے ۱؎ امام کے پیچھے اور جو شخص دوسرے کی نماز میں

فِي صَلٰوةِ غَيْرِهٖ يَحْتَاجُ إِلٰى نِيَّتَيْنِ نِيَّةِ

(بطور مقتدی) داخل ہونا چاہیے اسے دو نیتوں کی ضرورت ہے ایک نیت

الصَّلٰوةِ وَنِيَّةِ الْمُتَابَعَةِ

نماز کی دوسری نیت اقتداء کی

بَابُ الْجَمَاعَةِ

باب الجماعت

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَأَوْلَى النَّاسِ

جماعت سنت مؤکدہ ہے ۱؎ اور امامت کے بہتر لوگوں میں

مشکل الفاظ: الْمُؤْتَمُّ: مقتدی خلف: پیچھے دخول: داخل ہونا یحتاج: محتاج ہے۔ الْمُتَابَعَةُ: مقتدی ہونا۔ مُؤَكَّدَةٌ: تاکید والی اَوْلٰی: بہتر۔

۱؎ جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کی عملی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل ہے۔ قولی دلیل حضور کے کئی ارشادات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جسے طبرانی نے (حسب بیان مجمع الزوائد جلد ۱ صہ ۱۵۹) روایت کیا ہے۔ حضور نے فرمایا لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ " جماعت سے منافق کے سوا کوئی پیچھے نہیں رہتا"۔ اس تاکیدی ارشاد سے جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ جس نے اذان سنی اور نماز (جماعت) کے لیے نہ گیا وہ سنت کا تارک ہے مترغیب جلد ۱ صہ ۱۷۱)

بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ تَسَاوَوْا

سب سے بہتر وہ شخص ہے جو شریعت کا سب سے زیادہ عالم ہو اور اگر (اس میں بھی) لوگ برابر ہوں تو پھر

فَأَقْرَأُهُمْ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَوْرَعُهُمْ فَإِنْ

(بہتر) وہ ہے جو (ان) سب سے اچھا قاری ہو پس اگر (اس میں بھی) وہ سب برابر ہوں تو انہیں سب سے زیادہ پرہیزگار امامت کے لیے اولیٰ ہے اگر

تَسَاوَوْا فَأَسَنُّهُمْ وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ

اس میں بھی سب برابر ہوں تو پھر عمر میں سب سے بڑا ہو وہ اولیٰ بالامامت ہے اور مکروہ ہے امامت غلام کی

وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْأَعْمٰى وَوَلَدِ الزِّنَاءِ

بدو کی فاسق کی اور اندھے اور ولد الزنا کی

فَإِنْ تَقَدَّمُوْا جَازَ وَيَنْبَغِيْ لِلْإِمَامِ أَنْ لَا

(لیکن) اگر وہ امام بن جائیں تو نماز ہو جاتے گی اور امام کو

يُطَوِّلَ بِهِمُ الصَّلٰوةَ وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ أَنْ

چاہیئے کہ قرات لمبی نہ کرے لوگوں کو نماز پڑھاتے وقت اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ

مشکل الفاظ : أَعْلَمُ : زیادہ عالم تَسَاوَوْا : سب برابر ہوئے (تساوی مصدر)

أَوْرَع : زیادہ پرہیزگار۔ أَسَنّ : زیادہ عمر والا تقدیم : آگے بڑھانا۔ امام بنانا

اعرابی : بدو۔ اعمیٰ : اندھا وَلَدُ الزِّنَا : حرامی

ینبغی : مناسب ہے، چاہیئے۔

[1] اعلم سے مراد ہے کتاب و سنّت کا زیادہ عالم اور وہی حقیقت میں اقرأ بھی ہے حضورؐ کے زمانے میں قاری سے مراد صرف الفاظ کا پڑھنے والا ہی نہ تھا بلکہ الفاظ کے ساتھ معانی کا بھی لحاظ ہوتا تھا۔ تجوید و قرآت کے لحاظ سے اقرأ ہونے کی اصطلاح بعد میں نکلی۔ حضورؐ کے صحابہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابی بن کعبؓ قرآن پاک کے بہترین قاری تھے لیکن حضور پاکؐ نے ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت سپرد فرمائی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ساری جماعت میں زیادہ عالم تھے۔ اس زمانے میں عالم کو قاری کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ تفسیر عزیزی جلد ۱ صفحہ ۵۲ میں حضورؐ کا ارشاد درج ہے : اِنْ سَرَّكُمْ اِنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ عُلَمَاءُكُمْ "اگر تم نماز کی قبولیت چاہتے ہو تو اہل علم کو امام مقرر کرو"۔ اس حدیث سے علم کا مقدم ہونا ثابت ہوا۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ میں حضرت عطاؒ تابعی کا ارشاد نقل کیا ہے کہ يَؤُمُّهُمْ أَفْقَهُهُمْ، امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ فقیہ (ماہر دین) ہو۔ [2] اعلم کے مقابلے میں یہاں اَقْرَأُ کے لفظ سے مراد وہ شخص ہے جو فن قرآت و تجوید کے لحاظ سے قرآن کی تلاوت زیادہ اچھی کر سکے۔

امام کی تعظیم کے ساتھ چونکہ نماز اور جماعت کی تعظیم وابستہ ہے۔ لہٰذا امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو بالعموم لوگوں کی نگاہوں میں پسندیدہ اور لائق عزت و اکرام ہو۔ وہ لوگ جو کسی وجہ سے حقیر یا ذلیل سمجھے جاتے ہوں ان کی امامت پسندیدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے اور مقاصد امامت پورے نہیں ہوتے۔ امام محمدؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا لَا بَأْسَ بِأَنْ يَؤُمَّهُمُ الْأَعْرَابِيُّ وَالْعَبْدُ وَوَلَدُ الزِّنَا إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِهِ۔ "بدو، غلام اور زنا کی اولاد کی امامت میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ قرآن کے قاری ہوں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے، کہ ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی امامت میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، علم رکھتے ہوں اور مقتدیوں کے نزدیک حقیر نہ سمجھے جاتے ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں لیکن اس عبارت سے قدرے کراہت کا بھی پتہ چلتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلاف مصلحت ہو تو انھیں امام نہ بنایا جائے تاکہ جماعت تفرق و اختلاف کا شکار نہ ہو جائے۔ نابینا اگر عالم ہو اور طہارت کا پابند ہو تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتومؓ کو بعض اوقات امام مقرر فرمایا تھا۔ لیکن اگر نابینا غیر محتاط شخص ہو اور اس کی طہارت میں شبہ ہو تو اسے امام نہیں بنانا چاہیے۔ سے فاسق کی دو قسمیں ہیں (i) فاسق معلن فعلان۔ جو علی الاعلان احکام شرع کی خلاف ورزی کرے اور اس پر ڈٹا ہوا ہو۔ اس کی امامت جائز نہیں (ii) فاسق غیر معلن۔ جو کھلم کھلا احکام شرع کی خلاف ورزی تو نہیں کرتا، لیکن در پردہ بعض احکام کو توڑتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے اگر نماز پڑھنے کا موقع ملے تو نماز ہو جائیگی اور اس کی امامت میں حرج نہیں۔ سے طبرانی نے حضورؐ کی ایک حدیث روایت کی ہے: لَا خَيْرَ فِي جَمَاعَةِ النِّسَاءِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ "عورتوں کی (خالص) جماعت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، ہاں اگر وہ مسجد میں (مردوں کے ساتھ) باجماعت پڑھ لیں تو کوئی بات نہیں"۔ مسجد میں عورتوں کی الگ جماعت خارج از بحث ہے۔ مسجد کی جماعت تو وہی ہوگی جو مسنون ہے، یعنی مردوں کی جماعت۔ ایسی جماعت کے پیچھے اگر عورتیں بھی شامل ہو جائیں تو خیر ہے ورنہ عورت کی امامت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد ہے۔ لَا تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ (مدونہ کبریٰ جلد ۱ ص ۸۶) "عورت امام نہیں بن سکتی"۔ اگر کبھی تعلیم کی غرض سے یا بدرجہ مجبوری وہ امام بن ہی جائے تو وہ مصلیٰ پر کھڑی نہیں ہوگی بلکہ صف کے اندر ہی رہے۔ امام عبدالرزاقؒ اور دار قطنیؒ نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ ام المومنین ام سلمہؓ نے عورتوں کو نماز سکھانے کے لیے جماعت کرائی تو آپ صف کے اندر کھڑی ہوئیں۔ یہ جماعت تعلیم کے مقاصد کے لیے تھی ورنہ خیر القرون میں عورتوں کی جماعت کا ثبوت نہیں ملتا۔ تعلیم کی غرض سے بعض دفعہ عام احکام ہلکے ہو جاتے ہیں۔

يُصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْإِمَامَةُ

اکیلی جماعت سے نماز پڑھیں (لیکن) اگر وہ ایسا نہ کریں تو امام ان کے درمیان

وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ أَقَامَهُ

میں کھڑی ہو جیسا کہ ننگوں کی نماز میں ہے اور جو ایک (مقتدی) کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے (مقتدی کو) اپنے داہنی

عَنْ يَمِيْنِهِ وَإِنْ كَانَا اثْنَيْنِ تَقَدَّمَهُمَا وَلَا يَجُوْزُ

کھڑا کرےلہ اور اگر دو (مقتدی) ہوں تو ان دونوں سے آگے ہو اور مردوں کے لیے

لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوْا بِامْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ وَيَصُفُّ

جائز نہیں کہ کسی عورت کی اقتدا کریں اور نہ لڑکے کی اور (پہلے)

الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ فَإِنْ

صف مرد باندھیں پھر لڑکے پھر خنثیٰ اور پھر عورتیں اور اگر عورت

قَامَتِ امْرَأَةٌ إِلَى جَنْبِ رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِيْ صَلٰوةٍ

مرد کے پہلو میں کھڑی ہو اور وہ دونوں ایک ہی نماز میں شریک ہوں

مشکل الفاظ: یُصَلِّیْنَ: وہ عورتیں پڑھیں وَحْدَهُنَّ: اکیلی عُرَاۃ: ننگے عُریان کی جمع۔ أَقَامَ: کھڑا کیا۔ یَقْتَدُوْا: مقتدی بنیں۔ یَصُفُّ: صف بنائیں صِبْیَانُ: بچے (صبی کی جمع) خُنْثٰی: ہیجڑے جَنْب: پہلو میں، ساتھ۔

لہ جب صرف دو شخص جماعت کی صورت میں نماز پڑھیں تو مقتدی کو امام کے دائیں طرف اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے برابر ہوں۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۶۱ میں ہے: رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَضَعُ أَصَابِعَهُ عِنْدَ عَقِبِ الْإِمَامِ: "امام محمدؒ سے روایت ہے کہ (صرف ایک مقتدی ہو تو وہ) اپنی پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے" فتح الباری جلد۲ ص۱۶۰ میں حافظ ابن حجرؒ عسقلانی فرماتے ہیں: قَالَ أَصْحَابُنَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقِفَ الْمَأْمُوْمُ دُوْنَهُ قَلِيْلًا "ہمارے اصحاب (شافعی حضرات) کا کہنا ہے کہ مقتدی کو امام سے کچھ پیچھے کھڑا ہونا مستحب ہے"۔ بخاری جلد۱ ص۹۷ میں ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عباسؓ حضورؐ کے اکیلے مقتدی بنے تو آپؐ نے انھیں اپنے دائیں طرف کھڑا کیا۔ مجمع الزوائد جلد اول ص۱۶۹ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت انسؓ کو بھی اسی طرح دائیں طرف کھڑا کیا تھا۔ یہ سب دلائل ایک مقتدی کے ساتھ دائیں طرف کھڑے ہونے کے ہیں۔ لیکن اگر مقتدی ایک سے زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے الگ صف بنائیں گے۔ مسلم جلد۲ ص۴۱۲ میں ہے کہ ایک دفعہ جابر بن عبد اللہ حضورؐ کے دائیں طرف کھڑے نماز

پڑھ رہے تھے کہ ایک اور صاحب جابرؓ بن صخر بھی آشامل ہوتے اور بائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے دونوں حضرات کو اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔

ؔ۵ مدونہ کبریٰ امام مالکؒ جلد ا ص۸۶ میں ہے کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، عورت امامت نہ کرائے۔ علامہ شعرانیؒ رحمۃ الامۃ میں فرماتے ہیں: لَا تَصِحُّ إِمَامَةُ الْمَرْأَةِ بِالرِّجَالِ فِي الْفَرَائِضِ بِالْاِتِّفَاقِ "اس امر پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ فرض نماز میں عورت کا مردوں کی امامت کرانا صحیح نہیں" (بلکہ اس کے پیچھے نماز ادا نہ ہوگی!) مسلم جلد ا ص۱۸۲ میں ہے کہ اگر نماز باجماعت میں عورت صفِ اول میں ہو تو وہ صف "بدترین صف" ہے جب عورت کا صف اوّل میں ہونا شریعت میں قابلِ برداشت نہیں تو اس کی امامت کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہو سکتا کیوں کہ امامت کی صورت میں تو وہ سب سے آگے کھڑی ہو گی۔

ؔ۶ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد مدونہ کبریٰ جلد ا ص۸۶ میں مذکور ہے، لَا يَؤُمُّ مَنْ لَمْ يَحْتَلِمْ "نابالغ امام نہیں بن سکتا" دارقطنی میں حضورؐ کی ایک حدیث منقول ہے (اور یہ حدیث حسن کا درجہ رکھتی ہے) کہ حضورؐ فرماتے ہیں نابالغ لڑکا صفِ اوّل کے آگے نہ آئے۔ (نیل الاوطار جلد ۳ ص۴۳ میں بحوالہ المنتقیٰ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کا ارشاد مذکور ہے، لَا يَؤُمُّ الْغُلَامُ حَتّٰى تَجِبَ عَلَيْهِ الْحُدُوْدُ، "لڑکا جب تک شرعی حدود کے قابل (بالغ) نہ ہو جائے وہ امامت نہ کرائے" کنز العمال جلد ۴ ص۲۴۳ میں حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عمر فاروقؓ سے نقل کرتے ہیں، نَهَانَا أَنْ يَؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ، ہمیں آپ نے منع فرمایا کہ نابالغ ہمارا امام بنے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں لہٰذا اس کے نفل ادا ہوں گے اور اگر وہ فرضوں میں امام بن جائے تو مقتدی فرض پڑھنے والے ہوں گے اور امام نفل پڑھ رہا ہوگا اس طرح فرض نفلوں کے ماتحت ہو جائیں گے اور معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ، لَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ "امام سے اختلاف نہ کرو" (بخاری و مسلم) اور یہ صریحاً اختلاف ہے کہ امام نفل پڑھے اور مقتدی فرض۔ حضورؐ کے زمانے میں عمروؓ بن سلمہ نامی ایک لڑکے نے چھ سال کی عمر میں جماعت کرائی اور اس وقت وہ ننگا بھی ہو رہا تھا چنانچہ صحاح کی روایت ہے کہ ایک عورت بول اٹھی: وَارُوْا عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ "از راہِ کرم ذرا ان امام صاحب کے چوتڑ تو ڈھانپ دیجئے!" اب جو شخص اس واقعہ سے استدلال کر کے نابالغ کے پیچھے نماز کو جائز ٹھہرائے اس کے ذمے اس سوال کا جواب بھی لازم ہے کہ آیا کہ امام صاحب کا ستر ننگا ہو تو بھی وہ جماعت کرا سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی

ثابت کرنا ہوگا کہ اس واقعہ کی اطلاع حضورؐ کو ملی یا پہنچائی گئی اور آپؐ نے اس کی تقریر و توثیق فرمائی۔ چند ان پڑھ نومسلموں نے اس عذر کی بنا پر کہ ان میں سے کوئی قرأۃ قرآن بھی نہ کر سکتا تھا ایک نابالغ کو امام بنا لیا (جس کا ستر بھی ننگا ہو رہا تھا) اس میں ہمارے لیے کوئی شرعی حجت موجود نہیں ہے۔ اس واقعہ کو بلا سوچے سمجھے سنت قرار دے لینا بڑی جسارت ہے، اور اس کے برخلاف نابالغ کی امامت کے صحیح نہ ہونے کے واضح دلائل موجود ہیں جن میں سے بعض کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

؎ ابو مالکؓ اشعری نے حسب روایت مجمع الزوائد ص ۱۹۴ ایک مرتبہ رسولِ خدا کی سنت نماز کی تعلیم کے لیے باجماعت نماز پڑھی تو انہوں نے سب سے آگے مردوں کی صف بنائی پھر بچوں کی اور سب سے آخر میں عورتوں کی صف بنائی: صَفَّ الرِّجَالُ ثُمَّ صَفَّ الوِلْدَانَ خَلْفَهُمْ وَصَفَّ النِّسَاءُ خَلْفَ الوِلْدَانِ: حدیث کے مطابق چونکہ عورتوں کی بہترین صف وہی ہے جو سب سے پیچھے ہو لہٰذا اگر مخنث (ہجڑے) بھی موجود ہوں تو وہ لڑکوں کے پیچھے اور عورتوں سے اگلی صف میں ہوں گے۔

وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُہٗ اِنْ نَوَى الْاِمَامُ اِمَامَتَهَا وَاِنْ

تو مرد کی نماز فاسد ہو گی اگر اس نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور اگر

لَمْ يَنْوِ لَا يَضُرُّهٗ وَلَا يَجُوْزُ صَلٰوتُهَا وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ

اس نے یہ نیت نہیں کی تو مرد کو اس کا کوئی نقصان نہیں اور عورت کی نماز جائز ہو گی اور عورتوں کے لیے جماعت میں حاضر

الْجَمَاعَةِ وَلَا بَأْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَ

ہونا مکروہ ہے (ہاں) بوڑھی عورت کے لیے فجر، مغرب اور عشاء میں (جماعت کے لیے)

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ

نکلنے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں اور صاحبین

وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِيْ سَائِرِ الصَّلٰوتِ وَلَا يُصَلِّي

کے نزدیک بوڑھی عورتوں کا تمام نمازوں کے لیے نکلنا جائز ہے اور نہ پڑھے

الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَلَا الطَّاهِرَاتُ

محفوظ وضو والا اس کے پیچھے جسے سلس البول کی بیماری ہو یا جس کی نکسیر ہمیشہ بہتی ہو اور نہ محفوظ وضو والی عورتیں

مشکل الفاظ: فَسَدَتْ: ٹوٹ گئی۔ نوی: نیت کی۔ لم ینو: نیت نہ کی۔ لَا يَضُرُّ: مضر نہیں۔ حضور: حاضر ہونا۔ لا بأس: حرج نہیں۔ العجوز: بڑھیا۔ سائر: سب، بقیہ۔ سَلَسُ الْبَوْلِ: قطرہ قطرہ پیشاب آنا۔

لہ امام احمدؒ کی روایت کے مطابق حارثؓ بن معاویہ نے جناب عمرؓ سے دریافت کیا کہ حضرت بعض دفعہ ہم دونوں میاں بیوی تنگ جگہ میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت داخل ہو جاتا ہے اگر ہم اکٹھے نماز پڑھیں تو جگہ کی تنگی کے باعث میری بیوی میرے برابر میں ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان کپڑے سے پردہ کر لیا کرو (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۶) اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے خاص احوال میں بھی مرد اور عورت ایک ساتھ برابر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۵۷ میں ہے، کہ بہرحال مرد اور عورت کے درمیان کپڑے کے پچھلے حصے جتنا فاصلہ ضرور ہونا چاہیئے۔

لہ خصوصاً آج کل تو فتنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لیے عورتوں کا نماز باجماعت میں حاضر ہونا فتنے سے خالی نہیں ہو سکتا۔

خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَۃِ وَلَا الْقَارِیُ خَلْفَ الْاُمِّیِّ وَ لَا
مستحاضہ کے پیچھے[1] نماز پڑھے اور نہ قاری امی کے پیچھے اور نہ
الْمُکْتَسِی خَلْفَ الْعُرْیَانِ وَیَجُوْزُ اَنْ یَّؤُمَّ
لباس والا ننگے کے پیچھے اور یہ جائز ہے کہ تیمم
الْمُتَیَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِیْنَ وَالْمَاسِحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ
والا وضو والوں کی جماعت کرادے اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے
الْغَاسِلِیْنَ وَیُصَلِّی الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ وَلَا یُصَلِّی
والے کی (جماعت) کرادے اور کھڑا بیٹھے ہوئے کے پیچھے (نماز) پڑھ سکتا ہے اور نہ نماز
الَّذِیْ یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ خَلْفَ الْمُوْمِیْ وَلَا یُصَلِّی
پڑھے وہ شخص جو رکوع و سجود کرتا ہے اس شخص کے پیچھے جو اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے اور فرض کی نیت
الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ وَلَا مَنْ
باندھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے[2] اور نہ کوئی

مشکل الفاظ : اَلْمُسْتَحَاضَۃِ: استحاضہ کی بیماری والی عورت۔ اَلْاُمِّیُّ: ان پڑھ
اَلْمُکْتَسِیُ: لباس والا اکتسائے۔ کسا بمعنی چادر۔ عُرْیَان: ننگا اَلْمُتَیَمِّمُ: تیمم والا۔
مُتَوَضِّئِیْنَ: وضو کرنے والے۔ مَاسِحٌ: مسح کرنیوالا خُفَّیْن: موزے غَاسِلِیْنَ: [illegible]
قاعد: بیٹھنے والا مُوْمِیْ: اشارہ کرنیوالا۔ اَلْمُفْتَرِضُ: فرض پڑھنے والا اَلْمُتَنَفِّلِ: نفل پڑھنے والا۔

[1] حضورؐ کے ارشاد: اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ (امام مقتدیوں کا ذمہ دار ہے) کے پیش نظر معذور لوگ جن کی طہارت کی کوئی صورت ہی نہیں مثلاً دائمی نکسیر والا، سلسل البول (ہر وقت پیشاب آنا) کی بیماری والا اور استحاضہ والی عورت تندرستوں اور پوری طہارت والوں کے امام نہیں بن سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بوجہ معذوری ان کی اپنی نماز ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ بیماریاں ان کے بس میں نہیں ہیں۔ ہاں تیمم چوں کہ وضو کا قائم مقام ہے۔ لہٰذا تیمم کرنے والے کی طہارت کامل ہے پس وضو کرنے والے اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یہی حال موزوں پر مسح کرنے والے کا بھی ہے متواتر حدیثوں سے موزوں کے مسح کا پاؤں دھونے کا قائم مقام ہونا ثابت ہو چکا ہے لہٰذا موزوں والے کے پیچھے پاؤں دھونے والے کی نماز میں کوئی حرج نہیں لیکن مندرجہ بالا عذر ایسے ہیں جن میں طہارت کا کوئی قائم مقام شرع میں ثابت نہیں۔ اصل ضابطہ یہاں یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں ایک ہے بدل (قائم مقام) اور دوسری ہے "عذر"۔ شریع نے بدل کو اصل کا حکم دیا ہے، لیکن عذر کی حالت میں عذر والے ہی رعایت کے حق دار ٹھہرائے گئے ہیں۔ لہٰذا اس رعایت سے دوسرے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کھڑا ہونے والے بیٹھ کر

باقی صفحہ ۶۳ پر

يُصَلِّي فَرْضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا اٰخَرَ
کوئی شخص فرض پڑھے کسی ایسے کے پیچھے[1] جو کوئی اور فرض نماز پڑھ رہا ہے

وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ وَمَنِ
اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور جس نے کسی

اقْتَدٰى بِاِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَلٰى غَيْرِ
امام کی اقتداء کی اور پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ (امام) وضو سے نہ

طَهَارَةٍ اَعَادَ الصَّلٰوةَ وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي
تھا تو یہ (اپنی نماز) دوبارہ پڑھے[2] اور مکروہ ہے نمازی کے لیے

مشکل الفاظ: اَلْمُتَنَفِّلُ: نفل پڑھنے والا۔ اَلْمُفْتَرِضِ: فرض پڑھنے والا۔ اِقْتَدٰى: مقتدی بنا۔ اقتدا کی۔ اَعَادَ: لوٹالی۔ دُہرالی۔ دوبارہ پڑھ لی۔

[1] کیوں کہ اس طرح لازم آتا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ سے بڑھا دیا جائے اور امام اور مقتدی کی نماز میں موافقت بھی نہیں رہتی اور مقتدی چوں کہ فرض کی نیت رکھتا ہے اس لیے اس کا اختلاف غالب آ جاتا ہے اور یہ صورتِ حال حضور کے اس ارشاد میں داخل ہے، لَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ بِشَيْئٍ "کسی اختلاف میں امام سے آگے نہ بڑھو" اس حدیث میں علیٰ کا لفظ غلبے کا معنے پیدا کر رہا ہے۔ اگر اختلاف غالب نہ ہو بلکہ مغلوب ہو مثلاً امام فرض پڑھ رہا ہو اور مقتدی نفل کی نیت سے ہو تو اختلاف کا غلبہ لازم نہیں آتا، لہٰذا جائز ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز الگ چیز ہے اور ایک ہی فرض کو دوبارہ پڑھنے کی صورت میں نیت دونوں مرتبہ فرض کی ہے۔ اس قسم کے بعض اِکا دُکا واقعات کا حدیث میں ذکر ہے لیکن بعد میں یہ صورت بھی جائز نہ رہی تھی۔ [2] اگر امام ظہر کی قضا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا مقتدی اُس وقت کی نماز کی نیت رکھتا ہے تو مقتدی کی نماز جائز نہیں کیونکہ وقتی فرض قضاء فرض پر فوقیت رکھتا ہے اسی طرح ایک فرض خواہ قضاء ہی کیوں نہ ہو، دوسری فرض نماز کے تابع نہیں کی جاسکتی یعنی مثلاً امام وقتی ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی قضاء عشاء کی نماز کی نیت سے اس کے ساتھ شامل ہو جائے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ [3] امام محمدؒ نے کتاب الآثار صفحہ ۲۷ میں فرمایا ہے کہ جناب علی المرتضیٰ کا ارشاد ہے اگر کوئی شخص نماز با جماعت پڑھا دے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ حالتِ جنابت میں تھا تو امام اور مقتدی سب کو یہ نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

بقیہ:
نماز پڑھنے والے کے پیچھے تو نماز ادا کر سکتے ہیں کیونکہ بیٹھ کر پڑھنا شرعاً قیام کا بدل ٹھہرایا گیا ہے، لیکن وہ اشارے سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ اشارہ سے نماز پڑھنا صرف ایک عذر ہے اور اشارہ قیام و قعود وغیرہ کا بدل نہیں ہے۔

اَنْ یَّعْبَثَ اَوْ یَلْعَبَ بِثَوْبِہٖ اَوْ بِجَسَدِہٖ

کہ وہ (نماز کی حالت میں) اپنے کپڑے یا جسم (کے کسی حصے) میں فضول مشغول رہے

وَلَا یُقَلِّبُ الْحَصٰی اِلَّا اَنْ لَّا یُمْکِنَہُ السُّجُوْدُ

کنکریاں بھی نہ ہٹائے ہاں اگر اسے سجدہ کرنا ہی ممکن نہ

عَلَیْہِ فَیُسَوِّیْہِ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یُفَرْقِعُ

ہو تو اسے (زمین کو) ہموار کر لے ایک دفعہ اور نہ چٹخائے اپنی

اَصَابِعَہٗ وَلَا یُشَبِّکُ وَلَا یَتَخَصَّرُ

انگلیاں نہ انھیں ایک دوسرے پر چڑھائے نہ کمر پر ہاتھ رکھے

مشکل الفاظ: یَعْبَثَ: کھیلے (عبث مصدر) یَلْعَبَ: کھیلے۔ (لعب مصدر) لَا یُقَلِّبُ: نہ ہٹائے (تقلیب مصدر) الحصٰی: کنکریاں (حصاۃ کی جمع) السُّجُوْدُ: سجدہ کرنا۔ فَیُسَوِّیْہِ: بس اُسے برابر کرے۔ (تسویہ مصدر) مَرَّۃً: مرتبہ۔ بار۔ لَا یُفَرْقِعُ: نہ چٹخائے لَا یُشَبِّکُ: انگلیاں ایک دوسری میں نہ ڈالے۔ لَا یَتَخَصَّرُ: کمر پر ہاتھ نہ رکھے (خاصرہ کا معنی کمر)

لہ ضابطہ اس بارے میں یہ ہے کہ عملِ کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور عملِ قلیل سے نہیں۔ لیکن بلا ضرورت عملِ قلیل کو بار بار کرنا مکروہ ہے اور تین دفعہ اگر کیا جائے تو وہ بھی عملِ کثیر ہو جائیگا۔ عملِ کثیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو دیکھنے والا نماز میں نہ سمجھے یعنی عرفاً ایسے کام حالتِ نماز میں نہیں کیے جاتے اسی لیے تو دیکھنے والا جان لیتا ہے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔ عملِ کثیر کی مثال یہ ہے کہ ایسا کام کرنا جس میں دونوں ہاتھ مصروف ہوں مثلاً پگڑی باندھنا، کپڑوں کو ادھر اُدھر کرنا وغیرہ، عملِ قلیل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک ہاتھ سے سر یا بدن کھجلانا۔ عملِ قلیل ضرورت کی بنا پر تو جائز ہے بلا ضرورت جائز نہیں اور ضرورت کی حالت میں بھی ایک ہی مرتبہ جائز ہے زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ۔ لیکن اگر نماز کے ایک رکن مثلاً قیام یا رکوع یا سجدے میں تین مرتبہ عملِ قلیل سرزد ہو گیا تو نماز ٹوٹ گئی۔ مسندِ امام احمد جلد ۵ صـ۱۶۳ میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری نے حضورؐ سے نماز میں کنکریوں کو چھونے کے متعلق پوچھا تو حضرت نے فرمایا کہ بس زیادہ سے زیادہ ایک دفعہ چھو سکتے ہو اور وہ بھی رہنے ہی دو تو اچھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عملِ قلیل کو اگر بار بار کیا جائے تو وہ عملِ کثیر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے:

لَا تَمْسَحِ الْحَصٰی وَاَنْتَ تُصَلِّیْ فَاِنْ کُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَۃً۔

"حالتِ نماز میں کنکریوں کو مت چھوؤ۔ اگر ضروری چھونا پڑے تو صرف ایک مرتبہ!

سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۹ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لَا تُقَعْقِعْ اَصَابِعَكَ فِي الصَّلٰوةِ "نماز میں اپنی انگلیاں مت چٹخاؤ"۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ میں ہے کہ حالتِ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کو حضرت اُمّ المؤمنین عائشہؓ صدیقہ مکروہ قرار دیتی تھیں۔ ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ کی روایت کے مطابق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کر کے نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہا ہو وہ راستے میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے کیوں کہ وہ (اللہ کے نزدیک) نماز میں ہی ہے"۔ پس عین حالتِ نماز میں تو اس فعل سے بچنا اور بھی ضروری ہے!

وَلَا يَسْدُلُ ثَوْبَهٗ وَلَا يَكُفُّهٗ وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهٗ

اور نہ اپنا کپڑا لٹکائے نہ اسے پیٹے اور نہ گوندے بالوں کو

وَلَا يَلْتَفِتُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَلَا يُقْعِيْ كَاِقْعَاءِ الْكَلْبِ

اور نہ دائیں بائیں دھیان کرے اور نہ کتے کے بیٹھنے کی طرح بیٹھے ۱

وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهٖ وَلَا بِيَدِهٖ وَلَا يَتَرَبَّعُ

اور نہ اپنی زبان سے (کسی کے) سلام کا جواب اور نہ ہاتھ سے اور نہ بغیر عذر

اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا يَاْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ فَاِنْ سَبَقَهُ

کے چوکڑی لگا کر بیٹھے نہ کھائے اور نہ پیئے پس اگر اسے

الْحَدَثُ اِنْصَرَفَ وَتَوَضَّاَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ اِنْ

نماز میں حدث لاحق ہو تو نماز سے ہٹ جائے اور وضو کرے اور اپنی (پہلی) نماز پر ہی بنا کرے اگر

لَمْ يَكُنْ اِمَامًا فَاِنْ كَانَ اِمَامًا اِسْتَخْلَفَ

امام نہ ہو اور اگر امام تھا تو خلیفہ بنا جائے ۲

مشکل الفاظ: سَدْل: صرف کپڑا لٹکانا (گردن کے دونوں طرف)۔ کف: باندھنا، لپیٹنا۔ عقص: گوندھنا۔ شعر: بال۔ التفات: مڑنا۔ ادھر اُدھر دیکھنا۔ اقعاء: کتے کی طرح بیٹھنا۔ کلب: کتا۔ رد: لوٹانا۔ جواب دینا۔ لسان: زبان۔ تَرَبُّع: چوکڑی مارنا۔ سَبَقَهٗ: اس پر غالب آگیا۔ اَلْحَدَث: بے وضو ہونا۔ اِنْصَرَفَ: لوٹ گیا۔ مڑ گیا۔ اِسْتَخْلَفَ: نائب، خلیفہ بنایا۔

۱ حضورِ اکرم کا فرمان ہے: لَا تُقْعِ كَمَا يُقْعِي الْكَلْبُ ضَعْ اَلْيَتَكَ بَيْنَ قَدَمَيْكَ وَاَلْزِقْ ظَهْرَ قَدَمَيْكَ بِالْاَرْضِ (ابن ماجہ ص۶۴) "کتے کی مانند زمین سے چپٹ کر مت بیٹھو بلکہ اپنے چوتڑوں کو قدموں کے درمیان رکھو اور پاؤں کی پیٹھ کو زمین سے چسپاں کرو۔"

۲ دوسرے اعمال کی مانند نماز بھی بالتدریج مکمل ہوئی ہے۔ پہلے کئی حرکات نماز میں جائز تھیں۔ مثلاً سلام کا جواب دینا اور ادھر اُدھر دیکھ لینا وغیرہ، لیکن آگے چل کر اس پر پابندی لگا دی گئی۔ بخاری ص۱۶۰ و مسلم ص۲۰۴ میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حبشہ سے مدینہ واپس لوٹے تو حضورؐ حالتِ نماز میں تھے۔ ہم نے حسبِ معمول سلام کہا لیکن آپ نے جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ میں نماز میں تھا۔ یعنی اب نماز میں یہ افعال جائز نہیں رہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے نماز میں حرکت ذکر پر غالب تھی اور آخر میں ذکر حرکت پر غالب آ گیا۔

وَتَوَضَّأَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِہٖ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ وَالْإِسْتِئْنَافُ
اور وضو کرے اور اگر کلام نہ کیا ہو تو اپنی پہلی نماز پر ہی بنا کرے اور نئے سرے

أَفْضَلُ وَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ جُنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ
سے پڑھنا افضل ہے اور اگر وہ سو گیا اور اسے احتلام ہو گیا یا جنون ہو گیا یا اسے بے ہوشی ہو گئی

أَوْ قَهْقَهَ إِسْتَأْنَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ وَإِنْ
وہ قہقہے سے ہنس پڑا تو نماز اور وضو نئے سرے سے ادا کرے اور اگر نماز

تَكَلَّمَ فِيْ صَلٰوتِہٖ سَاهِيًا أَوْ عَامِدًا أَبْطَلَتْ صَلٰوتَہٗ
میں بول پڑا بھول کر یا جان کر تو اس کی نماز جاتی رہی

مشکل الفاظ: اِسْتِئْنَافٌ: ازسرِ نو پڑھنا۔ جُنَّ: مجنوں ہوا (جنون مصدر)
أُغْمِيَ عَلَيْهِ: اسے بیہوشی ہو گئی (اغماء مصدر) ساهِيًا: بھول کر (سہو مصدر)
عَامِدًا: جان بوجھ کر (عمد مصدر)

لہ ابن ماجہ میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو نماز میں قے آ جائے یا اس کی نکسیر پھوٹ پڑے یا مذی آ جائے تو: فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِہٖ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ۔ "وہ اسے نماز چھوڑ کر جانا چاہیے اور وضوء کرنا چاہیے اور پھر اپنی پہلی نماز جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے شروع کر دینی چاہیے لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے، کہ وہ اس دوران میں کوئی بات چیت نہ کرے"۔
ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِہٖ۔ "ایسی صورت میں وہ شخص وضوء کرے اور بات چیت نہ کرے۔ اور اپنی پہلی نماز پر ہی بنا کرے"۔ (الجوہر النقی جلد ۱ صلہ)

ص۲ حدیث میں ہے: مَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ ص۹)
حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سو جائے اسے وضو کرنا چاہیے"۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ دراصل نیند کی حالت میں چونکہ وضوء توڑنے والی کسی چیز کے پائے جانے کا احتمال موجود ہے اور صاحبِ معاملہ کو نیند کی وجہ سے اس کا علم بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا نیند کو ہی ہوا کے خارج ہونے کا قائم مقام ٹھہرا دیا گیا۔ لیکن نیند سے مراد ایسی نیند ہے جو ارکانِ نماز کی ادائیگی کے منافی ہو مثلاً چت لیٹ کر پہلو پر لیٹ کر یا سہارا لگا کر سونا کیونکہ ان احوال میں جسم کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پس اگر حالتِ قیام

یا قعود یا رکوع یا سجدے میں کوئی سو جائے اور اس کے بدن لگی ٹیک کسی چیز پر نہ لگی ہو تو وضو باطل نہیں ہوا۔ صحیح حدیث کی رو سے پیغمبروں کی نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس حالت میں بھی ان پر غفلت کا غلبہ نہیں ہوتا اور آنکھوں کے سو جانے کے باوجود دل بیدار رہتا ہے۔

۳۱ امام محمدؒ نے کتاب الآثار صفحہ ۳۱ میں حدیث بیان کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: مَنْ كَانَ قَهْقَهَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ. "تم میں سے جو شخص نماز میں قہقہہ مار کر ہنس پڑے وہ وضوء اور نماز دونوں کو لوٹائے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر قہقہہ تک نوبت نہ پہنچے صرف ہنسی (ضحک) ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا گو دوسرے دلائل سے نماز ٹوٹ جائے گی ہاں محض تبسم (مسکراہٹ) سے نہ نماز ٹوٹتی ہے نہ وضوء متاثر ہوتا ہے!

۳۲ صحیح مسلم جلد اصفحہ ۲۰۴ میں حضرت زید بن ارقم کا ارشاد مذکور ہے کہ جب آیت قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ اتری تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے اور بات چیت سے باز رہنے کا حکم دیا گیا: آیت کا ترجمہ یہ ہے "اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے رہو"۔

وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ
اور اگر اسے بمقدار تشہد قعدہ کرنے کے بعد حدث (ناقض) لاحق ہوا
تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هٰذِهِ
تو وہ وضو کرے اور سلام پھیرے اور اگر اس نے اس موقعہ پر جان کر
الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي
وضو توڑا یا کلام کیا یا کوئی ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی
الصَّلٰوةَ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ وَإِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ
تھا تو اس کی نماز ہوگئی ۔ اور اگر تیمم والے نے

مشکل الفاظ : قَعَدَ : بیٹھا (قعود مصدر) تَعَمَّدَ : جان کر کیا (تعمد مصدر) تَکَلَّمَ : بات چیت کی۔ یُنَافِیْ : خلاف ہے (منافاۃ مصدر) تَمَّتْ : پوری ہوگئی اَلْمُتَیَمِّمُ : تیمم کرنیوالا (تیمم سے اسم فاعل)

لہ لفظ سلام کے ساتھ نماز ختم کرنا سنت ہے ، لیکن سلام فرائض صلوٰۃ میں سے نہیں ہے ۔ اس لیے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے ارادے اور عمل سے نماز سے فارغ ہوگیا تو گو یہ طریقہ خلاف سنت ہوگا لیکن چونکہ فرائض نماز پورے ہوچکے ہیں لہٰذا اس شخص کی نماز ادا ہوگئی ہاں اگر وہ اپنے ارادے سے نماز سے نہیں نکلا تھا بلکہ اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اب وضو کر کے سلام پھیرے تاکہ نماز بطریق مسنون پوری ہوجائے ۔ امام احمدؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جب آخری قعدے میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہ دیا جائے تو نماز ہوجائے گی اس کے بعد تم چاہو تو فارغ ہوجاؤ اور چاہو تو درود و سلام اور دعاؤں کے لیے بیٹھے رہو " فَقَدْ قَضَيْتَ صَلٰوتَكَ فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ (مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۹۸) نور الایضاح ص ۱۳۷ میں ہے : " اَلْمَفْرُوْضُ عِنْدَنَا الْجُلُوْسُ قَدْرَ قِرَاءَةِ التَّشَهُّدِ فِي الْاَصَحِّ " صحیح ترین روایت میں ہمارے نزدیک فرض صرف اس قدر ہے کہ تشہد کے پڑھنے کی مقدار تک بیٹھا جائے " ۔
امام طحاوی نے معانی الآثار ص ۱۶۴ جلد ۱ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا یہ قول بیان کیا ہے کہ " قدر تشہد قعدہ کرنے سے نماز پوری ہوجاتی ہے اور سلام پھیرنا تو نماز کے ختم کی اطلاع ہے " (اس روایت کے راوی سب ثقہ ہیں) خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلام کے علاوہ کسی اور طریقے سے نماز سے باہر نکلنا گو خلاف سنت ہے ، بالخصوص ایسے طریقے سے باہر آنا جس میں جان بوجھ کر وضو توڑنے یا عمل کثیر کا ارتکاب ہوا ہو ، لیکن فرائض پورے ہوچکے ہیں اور یہ شخص اپنے ارادے سے نماز سے باہر آچکا ہے ۔ لہٰذا اس کی نماز ادا ہوگئی ۔ فقہ کی اصطلاح میں اسے خُرُوْجٌ بِصُنْعِ الْمُصَلِّيْ کہا جاتا ہے ۔ اور اس کی تفصیل اس باب کے آخر میں آرہی ہے ۔

الْمَاءَ فِیْ صَلٰوتِہٖ بَطَلَتْ صَلٰوتُہٗ وَاِنْ رَاٰہُ

اثنائے نماز میں پانی دیکھ لیا اور اسے اسکے استعمال پر قدرت ہوئی تو اسکی نماز جاتی رہی اور اگر اس نے

بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَھُّدِ اَوْکَانَ مَاسِحًا

پانی دیکھا بمقدار تشہد بیٹھنے کے بعد یا اس نے (موزوں پر) مسح کیا ہوا تھا

فَانْقَضَتْ مُدَّۃُ مَسْحِہٖ اَوْکَانَ صَاحِبَ الْعُذْرِ

اور اس کے مسح کی مدت جاتی رہی اور یا وہ صاحب عذر تھا اور

فَانْقَطَعَ عُذْرُہٗ اَوْخَلَعَ خُفَّیْہِ بِعَمَلٍ قَلِیْلٍ

اس کا عذر جاتا رہا، یا اس نے اپنا موزہ کسی عمل قلیل سے

اَوْکَانَ اُمِّیًّا فَتَعَلَّمَ سُوْرَۃً اَوْ عُرْیَانًا

اتار دیا یا وہ ان پڑھ تھا اور (نماز میں ہی) اس نے سورت سیکھ لی یا وہ ننگا تھا پس

فَوَجَدَ ثَوْبًا اَوْمُوْمِیًا فَقَدَرَ عَلَی الرُّکُوْعِ

اس نے کپڑا پا لیا یا وہ اشارہ (سے نماز پڑھنے) والا تھا پس اسے رکوع و سجود پر

مشکل الفاظ: بَطَلَتْ: ٹوٹ گئی، باطل ہوگئی۔ مَاسِحًا: مسح کرنے والا۔ اِنْقَضَتْ: ختم ہوگئی۔ (انقضاء مصدر) اِنْقَطَعَ: ختم ہوگیا (انقطاع مصدر)۔ خَلَعَ: اتار دیا۔ اُمِّیًّا: ان پڑھ۔ مُوْمِیًا: اشارہ کرنیوالا۔

لہ قدرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ شخص اس پانی کو حاصل کر سکتا ہو، مثلاً وہ اس کے بھائی یا دوست کے پاس ہو۔ اس صورت میں تو اس کی نماز ٹوٹ جائیگی۔ اب وہ پانی لے کر پہلے وضو کرے پھر نماز پڑھے، لیکن اگر اس نے پانی تو دیکھا لیکن اسے حاصل نہیں کر سکتا مثلاً اس کے دشمن کے پاس ہے، یا اس کے کنارے پر کوئی درندہ قابض ہے۔ یا وہ پانی کسی اجنبی کے پاس ہے، اور اس کی اجازت کے بغیر نہیں مل سکتا تو ان صورتوں میں پانی دیکھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اسے نماز جاری رکھنی چاہیئے۔ فارغ ہو کر پانی مانگ سکے تو مانگ لے اگر مل جائے تو وضو کر کے نماز از سر نو پڑھے، ورنہ اس کی نماز ہوگئی اور وہ اپنے تیمم کی طہارت پر قائم ہے۔ (جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے) یہ صورتیں تو تھیں نماز کے اندر پانی دیکھنے کی۔ رہی یہ صورت کہ وہ نماز پڑھ چکا تھا اور فارغ ہونے کے بعد پانی پایا تو اب نماز ہو چکی از سر نو وضوء سے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضورؐ نے ایسے ہی ایک شخص سے فرمایا تھا: اَصَبْتَ السُّنَّۃَ "تو نے سنت کو پا لیا!" (ابوداؤد ۱۳۲/۱۳۳)

وَالسُّجُوْدِ اَوْتَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً قَبْلَ

قدرت ہو گئی یا اسے یاد آگیا کہ اس کے ذمہ اس نماز سے پہلے کوئی اور

هٰذِهٖ اَوْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ

نماز بھی تھی ! یا امام قاری کا وضو جاتا رہا اور اس نے کسی ان پڑھ کو اپنا خلیفہ

اُمِّيًّا اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

بنا دیا یا صبح کی نماز کے دوران میں سورج نکل آیا

اَوْدَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ اَوْكَانَ

یا نماز جمعہ میں ہی عصر کا وقت آگیا یا اس نے پٹی

مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ اَوْكَانَتْ

پر مسح کیا ہوا تھا اور اس کی پٹی زخم اچھا ہونے سے گر پڑی یا کسی

مُسْتَحَاضَةً فَبَرَأَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ

عورت کو استحاضہ (کی تکلیف) تھی اور وہ نماز میں درست ہو گئی ۔ تو (ان تمام صورتوں میں) امام صاحب

فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رح وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رح وَمُحَمَّدٌ رح

کے نزدیک نماز باطل رہی اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح

مشکل الفاظ : تَذَكَّرَ : اسے یاد آیا۔ اَحْدَثَ : بے وضو ہو گیا طَلَعَتِ : طلوع ہوا۔
اَلْجَبِيْرَةِ : پٹی بُرْءٍ : تندرستی بَرَأَتْ : درست ہو گئی۔ بَطَلَتْ : ٹوٹ گئی۔

تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِي هٰذِهِ الْمَسَائِلِ

کے نزدیک نماز ہو گئی ہے

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

(باب قضاء الفوائت (فوت شدہ نمازوں کے قضاء کرنے کا بیان)

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا

اور جس کی نماز فوت ہوگئی ہو (تو) وہ اسے قضا کرے

مشکل الفاظ: تَمَّتْ: پوری ہوگئی الْمَسَائِل: مسئلہ کی جمع اَلْفَوَائِت: فوت ہونیوالی (فائتہ کی جمع) فَاتَتْ: فوت ہوگئی۔

له امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادی عمل سے نماز سے باہر آنا فرض ہے۔ خروج بصنع المصلی) اور صاحبین (ابویوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک خروج بصنع المصلی فرائض نماز میں داخل نہیں ہے بلکہ فرائض نماز ان کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے مطابق آخری قعدہ بقدر تشہد پر ختم ہو جاتے ہیں اسی اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اوپر کی بیان کردہ بارہ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت آخری قعدہ بقدر تشہد کر چکنے کے بعد پیش آئے تو صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ فرائض نماز ختم ہو چکے تھے اس لیے نماز تمام ہوگئی لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ ابھی ایک فرض (یعنی نمازی کا اپنے ارادی عمل سے نماز چھوڑنا) باقی تھا لہٰذا نماز ٹوٹ گئی اور اب از سر نو پڑھنا پڑے گی۔ لیکن یہ اختلاف صرف قعدہ بقدر تشہد کر چکنے کے بعد ان صورتوں میں سے کسی کے پیش آنے کی صورت میں ہے۔ اس سے پہلے اگر ان صورتوں کا وجود پایا جائے تو چونکہ نمازی بالاتفاق حالت نماز میں تھا لہٰذا ان سب حضرات کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ محققین حنفیہ اس مسئلے میں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ امام کرخیؒ اور زیلعیؒ اسی کے قائل ہیں جیسا کہ دُرِّ مختار میں تفصیل موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس حالت کو جس میں ان بارہ صورتوں میں سے کسی کے پائے جانے کے متعلق اختلاف اوپر مذکور ہوا ——— حالت نماز قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں اگر کوئی مسافر آکر مقیم کے پیچھے نماز کی نیت سے شامل نماز ہو جائے تو احناف کے ہاں بالاتفاق وہ مقتدی شمار ہوگا اور اسے پوری نماز ہی پڑھنا ہوگی معلوم ہوا کہ یہ حالت نماز ہی کی حالت ہے ورنہ مقتدی کی نماز بوجہ امام کے بدل نہ جاتی۔ (واللہ اعلم)

اِذَا ذَكَرَهَا فَاقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ

جب وہ اسے یاد آسکتا تو اسے وقتی نماز سے (تک پہلے) پڑھے

اِلَّا اَنْ يَّخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ

مگر یہ کہ اسے خوف ہو وقتی نماز کے فوت ہونے کا پس (اس صورت میں)

مشکل الفاظ: ذَكَرَ: یاد کیا۔ قَدَّمَ: پہلے پڑھے۔ آگے کرے صلوٰۃ الوقت: وقتی نماز
یخاف: ڈرے (خوف مصدر) یُقَدِّمُ: مقدم کرے (تقدیم مصدر)

لہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۴ میں ایک حدیث ہے حضورؐ نے فرمایا: مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ: "جسے کوئی نماز پڑھنا یاد نہ رہا۔ تو جب یاد آئے اُسے پڑھ لے۔ اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ (بدل) نہیں ہے"! آئمہ فقہ میں اس بارے میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ قضاء فوراً واجب ہے، یا اس میں دیر کرنا بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فوری وجوب کے قائل ہیں اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ دیر سے قضا کر لینے کو بھی جائز کہتے ہیں (نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۲۷)

لہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۳ میں ہے کہ جنگ خندق کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب عمر فاروق کی نماز عصر فوت ہوگئی اب باوجودیکہ مغرب کا وقت نسبتاً کم ہوتا ہے اور اسے جلدی پڑھنا مطلوب ہے حضورؐ نے پہلے فوت شدہ عصر قضاء کی اور پھر مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نمازوں کی ترتیب بھی شرعاً مطلوب ہے۔ موطا امام مالکؒ صفحہ ۵۹ اور مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد مذکور ہے، کہ کسی شخص کی نماز فوت ہوگئی اور اسے یاد بھی نہ رہا تھا کہ وہ اگلی نماز میں امام کے ساتھ شامل ہوگیا تو حالت نماز میں ہی اُسے فوت شدہ نماز یاد آئی۔ اب وہ امام کے ساتھ نماز پوری کرے پھر فوت شدہ نماز کو قضاء کرے اور اس باجماعت پڑھی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھے" اس روایت سے جہاں نمازوں کی ترتیب کا ضروری ہونا معلوم ہوا وہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نماز کے اندر اگر فوت شدہ نماز یاد آجائے تو اُس سے ترتیب کا واجب ہونا نمازی کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا ہاں اگر نماز پڑھنے کے بعد یاد آئے کہ اس سے پہلی نماز بھی اس کے ذمہ باقی تھی تو ترتیب کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۵۹ میں ہے: يَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ بِالنِّسْيَانِ وَهُوَ عَدَمُ تَذَكُّرِ الشَّيْءِ وَقْتَ حَاجَتِهٖ وَهُوَ عُذْرٌ سَمَاوِيٌّ مُسْقِطٌ لِلتَّرْتِيْبِ " نسیان (بھول جانے) سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور نسیان کا معنی ہے ضرورت کے

وقت کسی چیز کا یاد نہ آنا اور یہ قدرتی عذر ہے اور ترتیب کو ختم کر دینے والا ہے،
کنز الدقائق میں ہے۔

يَسْقُطُ لِضِيْقِ الْوَقْتِ وَ النِّسْيَانِ وَصَيْرُوْرَتِهَا سِتًّا: ترتیب وقت کی
تنگی سے، بھول جانے سے اور فوت نمازوں کے چھ ہو جانے سے ساقط ہو جاتی ہے۔
پانچ سے زیادہ فوت شدہ نمازوں کی صورت میں اگر ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے تو وقتی
نمازوں کی ادائیگی میں حرج واقع ہوگا اس لیے اس صورت میں بھی ترتیب ساقط ہو
جاتی ہے۔

صَلٰوۃَ الْوَقْتِ عَلَی الْفَائِتَۃِ ثُمَّ یَقْضِیْھَا

وہ وقتی نماز کو فائتہ نماز پر مقدم کرے پھر (اسکے بعد) وہ اسے (فائتہ کو) قضا کرے

وَمَنْ فَاتَتْہُ صَلَوٰاتٌ رَتَّبَھَا فِی الْقَضَاءِ

اور جس کی کئی نمازیں فوت ہوئی ہوں (تو) وہ انھیں قضا میں بھی اسی ترتیب سے رکھے

کَمَا وَجَبَتْ فِی الْاَصْلِ اِلَّا اَنْ تَزِیْدَ الْفَوَائِتُ

جیسا کہ وہ اصل میں فرض تھیں مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں پانچ نمازوں سے زیادہ

عَلٰی خَمْسِ صَلَوٰاتٍ فَیَسْقُطُ التَّرْتِیْبُ فِیْھَا ۱

ہو جائیں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

بَابُ الْاَوْقَاتِ الَّتِیْ تُکْرَہُ فِیْھَا الصَّلٰوۃُ

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

لَا یَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا

نہیں جائز نماز سورج کے طلوع کے وقت اور نہ

مشکل الفاظ : اَلْفَائِتَۃُ: فوت ہونیوالی نماز۔ صَلَوٰاتٌ: صلٰوۃ (نماز) کی جمع۔ رَتَّبَ: ترتیب سے پڑھنے
تَزِیْدَ: زیادہ ہوں۔ یَسْقُطُ: گرجاتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ عِنْدَ: بوقت طُلُوْعِ الشَّمْسِ: سورج کا چڑھنا۔

ے مسلم شریف جلد ا ص۲۷۶ میں ہے کہ عقبہ بن عامر نے فرمایا کہ حضورؐ تین اوقات میں پنج وقتہ نماز اور نماز جنازہ بھی پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ وہ تین وقت یہ ہیں (۱) جب سورج نکل رہا ہو۔ (۲) جب دوپہر کے وقت زوال سے پہلے سورج نصف النہار پر ہو (۳) جب سورج غروب ہونے کے لیے جھکے حتیٰ کہ ڈوب جائے۔ اس ممانعت میں ہر قسم کے نفل اور فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی داخل ہے۔ لیکن عصر کی نماز چونکہ اس وقت کے فرائض میں سے ہے اس لیے اُسے مغرب کا وقت ہونے سے پہلے ادا کیا جا سکتا ہے چاہے اُس دوران میں سورج غروب ہی ہو رہا ہو۔ کیونکہ مغرب کا وقت اُس وقت داخل ہو گا۔ جب غروب آفتاب پوری طرح ہو چکے گا اور وہ ابھی ہُوا نہیں۔ ان تین وقتوں میں نماز کے نہی کی علت یہ ہے کہ مشرک قومیں انہی اوقات میں سورج کی پوجا کیا کرتی تھیں اسلام نے شرک کا ہر دروازہ بند کر دینے اور مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں نماز سے منع فرما دیا حالاں کہ کوئی مسلم سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کرنے اور کسی کی عبادت کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کا تقاضہ یہی تھا کہ عبادت الٰہی کو ہر قسم کی آمیزش یا اُس کے خطرے سے بھی پاک کیا جائے۔

عِنْدَ غُرُوبِهَا اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلَا عِنْدَ

اور نہ اس کے غروب کے وقت. مگر یہ کہ اسی دن کی عصر ہو! اور نہ سورج

قِيَامِهَا فِي الظَّهِيْرَةِ وَلَا يُصَلِّي عَلٰى جَنَازَةٍ وَلَا

کے دوپہر کے ٹھہرنے کے وقت نماز پڑھے اور نہ ان اوقات میں[1] نماز جنازہ[1]

يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

پڑھے اور نہ سجدۂ تلاوت کرے[2] اور مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کی نماز[3] کے بعد سورج

حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى

نکلنے تک (کے دوران) اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ

مشکل الفاظ: غروب: ڈوبنا ظھیرہ: دوپہر تلاوۃ: قرآن پڑھنا یَتَنَفَّلَ: نفل پڑھے (تنفل مصدر)

[1] ان اوقات میں نمازِ جنازہ کی کراہت اس وقت ہے جبکہ جنازہ حاضر نہ ہوا اور جان بوجھ کر انہی اوقات میں سے کسی وقت میں لایا جائے۔ ورنہ اگر جنازہ آگیا ہو تو اس کی نماز میں دیر کرنا مکروہ ہے لہٰذا ان اوقات نمازِ جنازہ صحیح ہوگی۔ علامہ عینیؒ نے محیط سے نقل کیا ہے کہ: لَا يُؤَخِّرُ صَلٰوةَ الْجَنَازَةِ لِاَنَّ تَاخِيْرَهَا مَكْرُوْهٌ: (عینیؒ جلد احد ۱۱۵) "ان اوقات میں نمازِ جنازہ موخر نہ کی جائے کیونکہ اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے"۔

[2] ان اوقات میں اگر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر افضل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان اوقات میں تلاوتِ قرآن میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض لوگ تلاوت کو مکروہ جانتے ہیں۔

[3] اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ گئی ہوں تو وہ بھی سورج نکلنے سے پہلے جائز نہیں۔ اس سلسلے میں جو روایت پیش کی جاتی ہے اس کی سند کو امام ترمذیؒ نے منقطع قرار دیا ہے۔

تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا بَاسَ بِاَنْ يُصَلِّيَ فِي

سورج غروب ہو جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان دو وقتوں میں (بعد

هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ وَيُكْرَهُ اَنْ يَتَنَفَّلَ

فجر اور بعد عصر کے) فوت شدہ نمازیں قضا کرے اور مکروہ ہے کہ طلوع

بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

فجر کے (فوراً) بعد فجر کی (پہلے رہ گئی) دو سنتوں سے زیادہ کوئی نفل نماز پڑھے

وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

اور نہ ہی مغرب کی نماز سے پہلے کوئی نفل پڑھے

مشکل الفاظ: لَا بَاسَ: کوئی حرج نہیں بِاَكْثَرَ: زیادہ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ: فجر کی دو رکعات
هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ: یہ دونوں وقت۔

لہ ترمذی جلد ا صفحہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے فجر کی پہلی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں (اور نماز باجماعت پڑھ لے) تو ان سنتوں کو سورج طلوع ہو جانے کے بعد پڑھے، لیکن یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ فجر چڑھ آنے کے بعد نفل نمازوں میں سے سوائے فجر کے وقت کی ان دو سنتوں کے اور کوئی نہ ادا کی جائے یعنی کوئی نفل از سر نو شروع نہ کیا جائے ہاں فوت شدہ نمازوں کی قضاء ان دو وقتوں (طلوع فجر سے سورج چڑھنے تک اور نماز عصر پڑھ لینے سے غروب آفتاب تک) میں جائز ہے۔

لہ مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مطلوب شرع ہے۔ ویسے بھی اس کا وقت مختصر ہے۔ اس سے پہلے اگر نفل پڑھے جائیں تو جماعت میں دیر ہو گی اسی لیے خلفائے راشدینؓ اور عام صحابہ کرامؓ اس وقت نفل نہ پڑھا کرتے تھے (عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) یہ نفل اصل میں تو جائز اور مباح ہیں اور بعض احادیث میں ان کا ثبوت بھی موجود ہے لیکن جب کوئی مباح یا مستحب امر سنت میں خلل ڈالنے لگے تو مکروہ ہو جائیگا یہی وجہ ہے کہ مغرب سے پہلے نفل کے ثبوت کے باوجود عام طور پر اس کی شہرت نہیں ہوئی اور نہ بالعموم اس پر عمل جاری ہوا کیونکہ اگر سب لوگوں کو ان نفلوں کی اجازت مل جاتی تو نماز باجماعت میں تاخیر اور خلل واقع ہونے کا قوی خدشہ تھا۔ ہاں اگر کوئی خاص شخص جو حدود شرع سے واقف ہو اس کی نماز باجماعت میں تاخیر بھی نہ واقع ہو تو اس کے لیے یہ عمل مباح ہی رہیگا۔ حدیث میں جن لوگوں کا حضورؐ کے زمانے میں ان نفلوں کا پڑھنا مذکور ہے اس کی یہی حیثیت تھی جو مذکور ہوئی ورنہ اگر عام طور پر ان پر عمل ہوتا تو سب یا اکثر پڑھا کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکا۔

بَابُ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ

سنتوں اور نفل نمازوں کا باب

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

سنت نماز میں یہ ہے کہ فجر طلوع ہونے (پو پھٹنے) کے بعد دو رکعت

بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ

(سنت فجر) پڑھے اور چار رکعت (سنت) ظہر سے

وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ

پہلے اور دو رکعت اس کے (ظہر کے) بعد اور چار رکعت (سنت) عصر سے پہلے

مشکل الفاظ : اَلسُّنَنُ، سنتہ کی جمع اَلنَّوَافِلُ: نافلہ کی جمع اَرْبَعًا، چار

لہ بخاری جلد ا صلـ ۱۵۷ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ حضورؐ ظہر کی پہلی چار سنت کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ ترمذی جلد ا صـ ۵۷ میں ہے کہ حضرت علیؓ کے بیان کے مطابق حضورؐ ظہر کی نماز فرض کے بعد رکعت (سنت) اور پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی پہلی سنتیں چونکہ حضورؐ نے کبھی کبھی پڑھی ہیں اور ان پر ہمیشگی نہیں فرمائی اس لیے یہ مستحب ہیں چنانچہ ابن قدامہ حنبلی شرح احیاء العلوم جلد ۳ صـ ۴۴۸ میں فرماتے ہیں کہ یہ سنتیں روایت (موکدہ ہیں) سے نہیں۔ چونکہ یہ موکدہ نہیں اس لیے چار کی بجائے دو بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ ترمذی جلد ا صـ ۵۸ میں ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اُس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے۔ مسلم جلد ا صـ ۲۵۲ میں ہے، کہ حضورؐ مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پنج وقتہ سنتوں میں سے فجر کی دو سنتوں کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ فتح الباری جلد ۳ صـ ۳۵ میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ ان سنتوں کو واجب کہتے تھے۔ نیل الاوطار جلد ۲ صـ ۲۶ میں ہے، کہ ان دو سنتوں کی تاکید اور ان کے چھوڑنے پر وعید بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حتی الوسع ان سنتوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور ایک شخص کو امید ہے کہ وہ سنت پڑھ کر شاملِ جماعت ہو سکے گا وہ انھیں جماعت سے دور ہٹ کر مسجد کے دروازے یا ستون کے قریب پڑھ لے یہی طریقہ صحابہؓ سے منقول ہے اور اس میں دونوں ثواب حاصل ہو جاتے ہیں۔ نمازِ جماعت کا بھی اور فجر کی سنت کی بروقت ادائیگی کا بھی۔

وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

اور اگر چاہے تو دو رکعت سنت عصر بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور دو رکعت (سنت) مغرب کے بعد

وَأَرْبَعًا قَبْلَ الْعِشَاءِ وَأَرْبَعًا بَعْدَهَا وَإِنْ

اور چار رکعت (عشاء سے پہلے) اور چار رکعت اس کے (عشاء کے) بعد اگر

شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَنَوَافِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى

چاہے تو دو رکعت (عشاء کے فرضوں کے بعد) پڑھے اور دن کے نوافل اگر چاہے تو

رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِنْ شَاءَ أَرْبَعًا

دو دو رکعتیں ایک سلام سے پڑھے اور اگر چاہے تو چار

مشکل الفاظ: شَاءَ: چاہا۔ نَوَافِلُ النَّهَارِ: دن کے نوافل۔ تَسْلِيمَةٌ: سلام۔ وَاحِدَةٌ: ایک۔

ل ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۸۲ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا حضورؐ نماز عشاء کے بعد جب بھی میرے ہاں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت ضرور پڑھتے۔ ان رکعات میں سے دو سنت مؤکدہ تھیں اور باقی مستحب تھیں۔ نماز عشاء سے پہلے کی چار رکعات حضورؐ سے گو صراحۃً منقول نہیں مگر آپؐ کا یہ ارشاد ایک اصول ہدایت ہے: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَوٰةٌ (بخاری جلد ا صفحہ ۸۷) ہر دو اذانوں یعنی اذان اور تکبیر کے درمیان نماز ہے۔ بعض روایات میں مغرب کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس اصول کی بنا پر عشاء کی اذان اور تکبیر امامت کے درمیان چار رکعت مستحب ہوں گی (غنیۃ المستملی صفحہ ۳۶۹/۳۷۰) اور ان رکعتوں کا چار ہونا امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک چار چار رکعت دو دو سے افضل ہیں اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ: صَلوٰةُ اللَّيْلِ مَثْنىٰ مَثْنىٰ۔ "رات کی نماز دو دو رکعات ہے" سو امام صاحبؒ کے مسلک کی بنا پر چار چار رکعت ادا کرتے ہوئے جب ہر دو رکعت پر درمیانی تشہد کے لیے بیٹھ جائیں تو اس حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ نفل نماز رات کی ہو یا دن کی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چار چار پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دن ہو یا رات دو دو نفل افضل ہیں اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک دن کے نفل چار اور رات کے دو دو پڑھنا افضل ہے الدر المختار میں ہے کہ فقہ حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (شامی جلد ا صفحہ ۴۶۱) کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۲۶ میں جناب علی المرتضیٰ کی یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے حضور اکرمؐ سے دریافت کیا كَيْفَ صَلوٰةُ اللَّيْلِ، "رات کی نماز کیونکر پڑھی جائے"؟ تو حضورؐ نے فرمایا مَثْنىٰ مَثْنىٰ "دو دو رکعت کر کے" پھر حضرت علیؓ نے پوچھا كَيْفَ صَلوٰةُ النَّهَارِ: دن کی نماز کیسے پڑھی جائے؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: أَرْبَعًا بَعْدُ "چار چار رکعت کر کے لو" پس دیگر دلائل کے ساتھ یہ حدیث بھی صاحبین کے قول کی تائید کرتی ہے۔

وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَىٰ ذٰلِكَ فَأَمَّا نَوَافِلُ

تو چار رکعت کرکے پڑھ لے، اور اس عدد سے زیادہ اکٹھے نفل پڑھنا مکروہ ہے اور رات کے نوافل

اللَّيْلِ فَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِنْ صَلَّىٰ ثَمَانِيَ

کے متعلق امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر آٹھ رکعت پڑھے

رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ

ایک ہی سلام سے تو جائز ہے اور اس عدد

الزِّيَادَةُ عَلَىٰ ذٰلِكَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ

سے زیادہ (اکٹھے نفل پڑھنا) مکروہ ہے اور صاحبین نے کہا کہ رات

لَا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلَىٰ رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ

کے نفل میں دو رکعت ایک سلام سے زیادہ نہ کرے

وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ وَهُوَ مُخَيَّرٌ

اور قرأت فرض (نمازوں) میں واجب ہے پہلی دو رکعتوں میں اور اسے اختیار ہے

مشکل الفاظ: اللَّيْلِ: رات ثَمَانِيَ: آٹھ القراءۃ: قرآن پڑھنا

مُخَيَّرٌ: اختیار دیا گیا۔ اُولَيَيْن: پہلی دو رکعتیں۔

[1] امام عبد الرزاق نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں الفاتحہ اور ایک اور سورت پڑھتے تھے لیکن (بعض دفعہ) پچھلی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھتے تھے (الجوہر النقی جلد ۱ ص ۱۳۳) مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۸۵ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرضوں کی پچھلی دو رکعتوں میں (بعض دفعہ) کچھ بھی نہ پڑھتے تھے۔ یہ حدیث امام ابراہیم نخعیؒ سے مرسل طور پر بیان کی گئی ہے لیکن اہل علم کے نزدیک اُن کی مرسل روایات قابل اعتبار اور مسند ہی کے حکم میں ہیں۔ موطا امام محمد ص ۹۱ میں ہے: اَلسُّنَّةُ أَنْ تَقْرَأَ فِي الْفَرِيْضَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ تَقْرَأْ فِيْهِمَا أَجْزَأَكَ وَإِنْ سَبَّحْتَ فِيْهِمَا أَجْزَأَكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ: سنت یہ ہے کہ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک اور سورت پڑھو اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھو اور اگر پچھلی رکعتوں میں کچھ نہ پڑھو تب بھی تمہارے لیے کافی ہے اور اگر تسبیح پڑھتے رہو تب بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے: علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۶۳ میں فرمایا ہے کہ جیدھو: اَلْمَأْثُوْرُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعَائِشَةَ إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَقْرَأَ

(باقی صفحہ ۸۱ کے نیچے)

فِی الْاُخْرَیَیْنِ اِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَۃَ

پچھلی دو رکعتوں میں اگر چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھے

وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَاِنْ شَاءَ سَکَتَ وَالْقِرَأَۃُ اَفْضَلُ وَالْقِرَأَۃُ

اور چاہے تو تسبیح کہہ لے اور چاہے تو خاموش کرے اور قراءت فاتحہ افضل ہے اور قراءت لے

وَاجِبَۃٌ فِیْ جَمِیْعِ رَکَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِیْعِ الْوِتْرِ

اور نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے

وَمَنْ دَخَلَ فِیْ صَلٰوۃِ النَّفْلِ ثُمَّ اَفْسَدَھَا

اور جو داخل ہوا نفل نماز میں پھر اس نے اسے فاسد کر لیا

قَضَاھَا فَاِنْ صَلّٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ وَقَعَدَ

تو (اب) اسے (اس نفل نماز کو) قضا کرے لے اور اگر پڑھے چار رکعت اور پہلی دو

مشکل الفاظ: اُخْرَیَیْنِ: آخری دو رکعتیں سَبَّحَ: سُبحان اللہ کہا (کہے)، سَکَتَ: خاموش ہوا (رہے)، جَمِیْعِ: سب اَفْسَدَ: توڑ ڈالا (فاسد کر دیا)۔ قَضَاھَا: اُسے قضا کیا (کرے)

لہ نفل نماز کی ہر دو رکعت مستقل حیثیت رکھتی ہیں اسی لیے تیسری رکعت کو پھر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ سے شروع کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہدایۃ اولین میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر رکعت میں سورت بھی الفاتحہ کے ساتھ ملائی جاتی ہے۔

ٹہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ابتداءً سے تو یہ نماز اُس کے ذمہ نہ تھی نیت کر کے اس میں داخل ہو جانے سے گویا اُس شخص نے اسے اپنے اُوپر لازم کر لیا لہٰذا اب اس کا پُورا کرنا واجب ہے، اگر توڑ دیگا تو قضاء واجب ہو گی۔ شرع میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ نفل کو شروع کر دینے سے وہ واجب ہو جاتا ہے یعنی اپنے اوپر خود واجب کردہ عمل ہے۔

بقیہ:

حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے بھی یہی منقول ہے لیکن قرأت کرنا افضل ہے "کبیری شرح منیہ میں ہے کہ قرات تسبیح سے افضل ہے اور تسبیح خاموش رہنے سے افضل ہے۔" محیط میں بھی یہی لکھا ہے کہ سنت یہی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور یہی افضل ہے۔ صرف خاموش رہنے کو بعض فقہاء مکروہ شمار کرتے ہیں۔ حضورؐ نے نمازوں کی رکعات میں چونکہ ہمیشہ تسبیح نہیں بلکہ قرأت کی ہے لہٰذا صرف تسبیح کو بھی مکروہ ہی کہنا چاہیئے (محیط صفحہ ۲۷۳/۲۷۴)

فِی الْاُوْلَیَیْنِ ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَیَیْنِ قَضٰی
رکعتوں میں قعدہ کرے پھر اس نے پچھلی دو فاسد کرلیں تو اب (صرف)

رَکْعَتَیْنِ وَیُصَلِّی النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ
دو رکعتیں قضا کرے (اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ چار (ہی) کی قضا کرے) اور نفل نماز قیام پر قدرت کے

عَلَی الْقِیَامِ وَاِنِ افْتَتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ
باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر اس نے (نفل نماز) شروع کی کھڑے ہو کر

بِغَیْرِ عُذْرٍ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَؒ
پھر بیٹھ گیا بغیر عذر کے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے

مشکل الفاظ: قَاعِدًا: بیٹھ کر (قعود سے اسم فاعل) اَلْقِیَام: کھڑا ہونا
اِفْتَتَحَ: شروع کیا۔ قَائِمًا: کھڑے ہو کر (قیام سے اسم فاعل)

لہ کیونکہ اس صورت میں پہلی دو رکعتیں ادا ہو چکی تھیں اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنا گویا نئے سرے سے دو رکعتیں اور پڑھنے کے ہم معنی ہے۔ لیکن پچھلی دو رکعتوں کی قضاء صرف اس صورت میں ہے جبکہ وہ انھیں شروع کر چکا تھا اور پھر انھیں فاسد کر دیا، لیکن اگر پہلی دو رکعتیں تمام ہو چکنے کے بعد اور دوسری دو رکعتیں شروع کرنے سے پہلے اس نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس صورت میں پچھلی دو رکعتوں کی قضا واجب نہیں ہے کیونکہ پہلی دو پوری ہو چکیں اور دوسری دو ابھی شروع نہیں ہوئیں۔ جیسا کہ ہدایہ ص۱۲۸ میں لکھا ہے لیکن اس صورت میں احتیاطاً چار رکعتیں قضا کرے تو کوئی حرج نہیں۔

لہ بخاری جلد ا ص۱۵ میں حدیث ہے حضورؐ نے فرمایا: صَلٰوةُ الْقَاعِدِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ صَلٰوةِ الْقَائِمِ۔ "بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نسبت آدھا ثواب ملتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا عذر کے بغیر بھی جائز ہے کیونکہ اگر عذر ہو تو ثواب کم نہیں ہوتا اگر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ تھا تو ثواب کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا بلکہ سرے سے نماز ہی جائز نہ ہوتی، لیکن سب کچھ اس وقت ہے جب کہ نماز نفل ہو کیونکہ فرض نماز میں عذر کے بغیر بیٹھ کر پڑھنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ زیلعی جلد ا ص۱۵ میں امام نوویؒ کا قول لکھا ہے کہ: اَمَّا الْفَرْضُ فَلَا یَجُوْزُ الْقُعُوْدُ فِیْهِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَی الْقِیَامِ بِالْاِجْمَاعِ فَاِنْ عَجَزَ لَمْ یَنْقُصْ ثَوَابُهٗ: "جب تک کھڑا ہونے کی قدرت موجود ہے فرض نماز میں بیٹھ کر پڑھنا ناجائز ہے اور اس امر پر تمام علما متفق ہیں۔ ہاں اگر وہ شخص

کھڑا ہونے سے عاجز ہو تو اس کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔"

؎ امام ابو حنیفہؒ نے استحسان (قیاس خفی) کی بنا پر یہ اجازت دی ہے اور صاحبینؒ کا مسلک قیاس جلی پر مبنی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفل شروع کرے تو اس پر ان کی تکمیل واجب ہے اگر توڑ دے تو قضا واجب ہے اسی طرح جب کھڑے ہو کر نفل شروع کر دیئے تو اب اسی طرح ان کی تکمیل واجب ہے، اور عذر کے بغیر بیٹھنا صحیح نہ ہوگا (واللہ اعلم)

وَقَالَا لَا يَجُوْزُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَمَنْ كَانَ
اور صاحبینؒ نے کہا (کہ) بغیر عذر کے جائز نہیں ۔ اور جو ہو شہر کے باہر

خَارِجَ الْمِصْرِ يَتَنَفَّلُ عَلٰى دَابَّتِهٖ اِلٰى اَيِّ
تو اپنی سواری ہی پر ہی نفل پڑھ لے جس طرف کو رخ

جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُوْمِئُ اِيْمَاءً
ہو اس چوپائے کا اور اشارہ سے کام لے (یہ نفل نماز پڑھتا ہے)

بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ

باب سجود السہو

سُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ
سجدہ سہو واجب ہے زیادتی

مشکل الفاظ : خَارِجَ : اشارہ کرے۔ الْمِصْر : شہر (آبادی)۔ دَابَّة : جانور (سواری)
اَيّ : جونسی۔ جِهَة : طرف تَوَجَّهَتْ : متوجہ ہوئی (فعل ماضی) يُوْمِئُ : اشارہ کرے۔
اِيْمَاءً : اشارہ کرنا (مصدر)

لہ نفل نماز کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں اور اس میں فرائض و واجبات جیسی پابندیاں بھی نہیں بلکہ بعض دفعہ نفل میں بہت سی پابندیاں ہلکی ہوجاتی یا سرے سے جاتی رہتی ہیں۔ مثلاً سواری پر اشارے سے نماز نفل جائز ہے چاہے سواری کسی طرف کو ہی کیوں نہ جا رہی ہو۔ بخاری جلد اص۱۳۶ میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرمؐ کو سواری پر (نفل) نماز پڑھتے دیکھا۔ سواری جس طرف رخ کرتی حضورؐ اشارے سے نماز پڑھتے جاتے تھے۔ ۲ہ بخاری جلد اص۵۸ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو نماز میں شک پڑجائے اسے چاہیے کہ خوب غور و فکر سے اصل صورت حال معلوم کرے پھر جو بات ٹھیک معلوم ہو اسکے مطابق نماز پوری کرلے اس کے بعد سلام کہے اور سلام کے بعد دو سجدے کرلے۔ اس حدیث سے سجدہ سہو کا واجب ہونا ثابت ہوا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سہو کے سجدے سلام کے بعد ہیں رہا یہ سوال کہ ان سجدوں کے بعد پھر التحیات وغیرہ کا کیا ثبوت ہے، تو ترمذی جلد اص۵۲ ابوداؤد جلد اص۱۰۴ میں حضورؐ کا ارشاد موجود ہے کہ : فَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدْ ثُمَّ سَلِّمْ پھر وہ دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے پھر سلام کرے! اس حدیث میں تو دوسرے التحیات سے فارغ ہوکر سلام پھیرنے کی صراحت بھی موجود ہے۔ ۳ہ مثلاً کوئی ایسا کام کرنا جو ہے تو نماز ہی کا کام مگر خاص اس موقع اور اس نماز کے لیے نہیں۔ یا اس نماز کے کسی عمل سے اتنی دیر تک رکا رہے جتنی دیر میں تین دفعہ سے زبان سبحان اللہ کہا جاتا ہے یا کسی رکن نماز میں تاخیر کرنا، ان تمام صورتوں میں سجدہ

وَالنُّقْصَانِ بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ

اور نقصان[1] میں سلام کے بعد (پہلے) دو سجدے کرے پھر تشہد

ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ وَيَلْزَمُهُ سُجُوْدُ السَّهْوِ

کرے (التحیات پڑھے) اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو لازم ہوتا ہے جب وہ

إِذَا زَادَ فِيْ صَلٰوتِهٖ فِعْلًا مِّنْ جِنْسِهَا

اپنی نماز میں زیادہ کرے کوئی ایسا کام جو اس کی نماز کی جنس میں سے ہو

لَيْسَ مِنْهَا أَوْ تَرَكَ فِعْلًا مَّسْنُوْنًا أَوْ تَرَكَ

(لیکن) اس میں (اس خاص نماز میں) سے نہ ہو یا وہ کوئی امر مسنون[2] ترک کرے یا

قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوِ الْقُنُوْتَ أَوِ التَّشَهُّدَ

سورہ فاتحہ[3] چھوڑ جائے یا قنوت[4] تشہد[5]

مشکل الفاظ: يَسْجُدُ: سجدہ کرے (سجود مصدر) يَتَشَهَّدُ: التحیات پڑھے (تشہد مصدر)
يُسَلِّمُ: سلام کہے (تسلیم سلام مصدر) يَلْزَمُهُ: اُسے لازم ہے زَادَ: بڑھایا۔ مسنون: جو سنت ہو۔
الْقُنُوْت: دعائے قنوت۔

[1] واجب کو چھوڑ دینے یا اس میں تاخیر کرنے سے بھی سجدۂ سہو لازم ہے۔ [2] امرِ مسنون سے مراد یہاں وہ اعمال نہیں جو درجۂ سنت رکھتے ہیں بلکہ وہ افعال ہیں جن کے واجب ہونیکا ثبوت سنت سے ہوا ہے کیونکہ سجدۂ سہو سنت کے ترک سے نہیں بلکہ واجب کے چھوڑنے سے لازم ہوتا ہے۔ [3] سورہ فاتحہ ہر نماز میں واجب ہے پس اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں نفلوں کی کسی رکعت میں الفاتحہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے نماز باجماعت میں چونکہ امام کی قرآت مقتدی کے لیے بھی کافی ہے گویا مقتدی اس واجب کو بوجہ جماعت امام کے ذریعے سے ادا کرتا ہے۔ لہذا نماز باجماعت میں امام کے ترکِ فاتحہ سے سجدۂ سہو لازم آئے گا نہ کہ مقتدی کے ترک سے۔ [4] دعائے قنوت کا پڑھنا نمازِ وتر میں واجب ہے اس لیے اس کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم آئے گا۔ دعائے قنوت کی جگہ پر اگر کوئی شخص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یا کوئی اور سورت یا دعا وغیرہ پڑھتا ہے، تو بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا کیونکہ اس کا لازم آنا بوجہ دعائے قنوت کے ترک کے ہے اس کی تلافی کسی اور طرح سے نہیں ہو سکتی۔ [5] درمیانہ تشہد کے لیے بیٹھنا واجب ہے، لہذا اُس کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو لازم ہو گا۔

أَوْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ أَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ

یا عیدین کی تکبیریں چھوڑ دے یا امام جہر پڑھ جائے ان (نمازوں)

فِيْمَا يُخَافَتُ أَوْ خَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ وَسَهْوُ

میں جہاں اخفا کیے جاتا ہو یا اخفا کر جائے (جہاں جہر کیا جاتا ہے) اور امام کا

الْإِمَامِ يُوْجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ فَإِنْ لَمْ

سہو مقتدی پر بھی سجدہ سہو واجب کر دیتا ہے پس اگر امام

يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ فَإِنْ سَهَى

سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے اور اگر بھول جائے

مشکل الفاظ: جَهَرَ: آواز بلند پڑھ لیا (جہر مصدر سے ماضی)۔ یُخَافَتُ: آہستہ پڑھا جاتا ہے (مخافتۃ مصدر) خَافَتَ: آہستہ پڑھا (ماضی)۔ یُوْجِبُ: واجب کرتا ہے (ایجاب مصدر)

۱؎ عید کی نمازوں کی تکبیریں واجب ہیں اس لیے ان کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ ہاں اگر مجمع بہت بڑا ہو اور سجدۂ سہو سے پچھلی صفوں میں انتشار یا فتنہ اور غلط فہمی کا اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کیا جائیگا۔ درمختار میں ہے: "وَالسَّهْوُ فِيْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ وَالْجُمُعَةِ وَالْمَكْتُوْبَةِ وَالتَّطَوُّعِ سَوَاءٌ وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ الْمُتَاخِرِيْنَ عَدَمُهٗ فِي الْأُوْلَيَيْنِ لِدَفْعِ الْفِتْنَةِ" "اور سجدۂ سہو نماز عید، جمعہ، فرض نماز اور نفل نماز میں یکساں ہے۔ اور علمائے متاخرین کے نزدیک فتنہ سے بچنے بچانے کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ عید اور جمعہ کی نماز میں یہ سجدہ نہ کیا جائے" لیکن فتنہ سے بچنے کے لیے اصل حکم پر عمل نہ کرنا مقاصد شرع میں سے ہونے کے باوجود اصل مسئلہ یہی ہے کہ تاخیر فرض یا واجب کو چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو لازم ہے یہاں ایک خاص مصلحت شرعی کی وجہ سے اس حکم پر عمل نہیں ہوا کیونکہ فتنہ کا نقصان ایسا وزنی ہے جس کے لیے اصل حکم کو ملتوی کرنا پڑا۔ یہاں سے فتنہ و انتشار سے بچنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ ۲؎ جن نمازوں میں قرأت باآواز بلند ہے ان میں باآواز بلند پڑھنا اور جن میں آہستہ ہے ان میں آہستہ پڑھنا یہ دونوں واجب ہیں انکے خلاف کرنے سے واجب چھوٹتا ہے اس لیے سجدۂ سہو ہے لیکن اس قرأت سے مراد اتنی مقدار کی قرأت ہے جس سے نماز جائز ہوتی ہے یعنی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں۔ اگر کوئی شخص اس مقدار سے کم خلافِ سنت پڑھ گیا اور پھر اسے غلطی کا خیال آیا تو اتنی مقدار کے برابر سنت کے مطابق پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور کبھی کبھی ظہر یا عصر کی نماز میں ایک آدھ آیت بلند آواز سے بغرضِ تعلیم پڑھ دیتے تھے تاکہ مقتدی مسنون قرأت کو جان لیں۔ اسی طرح حافظ ابوبشر دولابی کی روایت کے مطابق کبھی آمین باآوازِ بلند کہنا بھی بغرضِ تعلیم ہی تھا۔

الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُوْدُ

مقتدی سے تو مقتدی اور امام کسی پر سجدہ لازم نہیں آتا۔

وَمَنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ

اور جو بھول گیا پہلے قعدے کو پھر یاد آیا

وَهُوَ إِلٰى حَالِ الْقُعُوْدِ أَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ

اور وہ بیٹھنے کے قریب ہوا تو لوٹ آئے اور بیٹھ جائے پھر تشہد پڑھے

وَإِنْ كَانَ إِلٰى حَالِ الْقِيَامِ أَقْرَبَ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ

اور اگر وہ قیام کی حالت کے قریب ہوگیا ہو تو (پھر) واپس نہ لوٹے اور (آخر میں) سجدہ سہو

لِلسَّهْوِ وَإِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيْرَةِ فَقَامَ

کرے اور اگر وہ قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں (رکعت) کے لیے اٹھ کھڑا

إِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ

ہوا اور پھر اسے یاد آگیا تو (پھر) وہ قعدہ کی طرف واپس لوٹے جب تک کہ اپنے پانچویں (رکعت) کا سجدہ

مشکل الفاظ : سَهَا: بھول گیا (سہو مصدر) اَلْقَعْدَةِ : بیٹھنا تَذَكَّرَ: یاد آیا۔ (تذکر مصدر) قُعُوْدٌ: (مصدر) بیٹھنا۔ عَادَ : لوٹ آیا (عود مصدر) رَجَعَ : واپس ہوا۔ (رجوع مصدر)

لہ تاکہ امام کی پیروی قائم رہے۔

ٹہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی ذمہ داری مقتدی کی طرف سے امام پر ہے ان میں امام کی ادائیگی مقتدی کی ادائیگی سمجھی گئی ہے (ا) سترہ۔ یعنی جب کھلی فضا میں نماز با جماعت ہو رہی ہو تو امام اپنی سجدہ گاہ سے ذرا آگے یا بائیں آنکھ کے بالمقابل ہاتھ بھر لمبی لکڑی دغیرہ گاڑ لے۔ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے بھی کافی ہے (ii) قرأت۔ یعنی امام قرأت مقتدی کے لیے بھی کافی ہے۔ (iii) سہو۔ یعنی امام کے سہو پر تو مقتدی کے ذمہ امام کی پیروی میں سجدہ لازم ہوگا لیکن مقتدی اگر بھول جائے تو کسی پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔

يَسْجُدْ وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَإِنْ
نہ کیا ہو اور ضائع کر دے اپنی پانچویں رکعت کو اور (آخر میں) سجدہ سہو کرے اور اگر

قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ
(اس نے) پانچویں (رکعت) کو سجدے کے ساتھ ملا دیا تو اس کے فرض باطل ہو گئے

وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهُ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ أَنْ
اور اس کی (یہ) نماز نفل میں بدل گئی اور اس کے ذمہ ہے کہ (اب)

يَضُمَّ إِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً وَإِنْ
اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے اور اگر

مشکل الفاظ : اَلْغٰى: لغو کر دیا، ضائع کیا (اِلغاءٌ مصدر) قَيَّدَ: مقید کیا (ماضی از مصدر تقییدٌ) تَحَوَّلَتْ: بدل گئی (تحوُّل مصدر) يَضُمَّ: ملائے (ضمّ مصدر) سَادِسَةً: چھٹی

لے اس شخص کے ذمہ آخری قعدہ کے فرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم تھا لیکن جب تک یہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر کے اُسے پوری رکعت نہیں بنا لیتا اس وقت تک اس فالتو رکعت کو ضائع کر دینے کا موقع موجود ہے لیکن اگر اُس نے پانچویں رکعت کا سجدہ بھی ادا کر لیا تو اب اس کے فرض تو نفل نماز میں بدل گئے، لیکن اسے چھٹی رکعت بھی ساتھ ملا لینی چاہیئے کیونکہ آخری قعدہ کی ادائیگی تو بہر حال وہ کرے گا ہی۔ اس صورت میں فرق یہ پڑے گا کہ ایک تو نماز نفل ہو گئی لہٰذا فرض از سر نو پڑھے دوسرے یہ کہ یہ شخص دوسرے قعدے کو (جو دراصل آخری تھا درمیانہ قرار دے گا تاکہ نفل بھی سنت کے مطابق یعنی جُفت رہیں طاق نہ ہو جائیں۔ یہ سب کچھ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے پر ہے، کہ ان کے نزدیک نماز کا وصف (فرضیت) تو باطل ہو گیا لیکن نماز کی اصل باقی ہے، لہٰذا یہ چھ رکعت نفل ہو جائیں گے۔ حنفی فقہ میں فتویٰ اس باب میں اسی رائے پر ہے۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک وصف کا باطل ہو جانا اصل کے باطل ہو جانیکا باعث ہے، لہٰذا یہ نماز سرے سے باطل ہو گئی اور نفل بھی شمار نہیں ہو گی۔

نوٹ: فقہ حنفیہ میں سجدہ سہو والا سلام صرف دائیں طرف کیا جائیگا اور سجدہ سہو کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر پھر دونوں طرف سلام کر کے نماز سے فراغت ہو گی۔ جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ: وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَهُوَ الْأَصْوَبُ وَبِهٖ قَالَ النَّخَعِيُّ "امام کرخیؒ کا یہی قول ہے اور یہی درست ترین ہے اور امام نخعیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے"۔ لیکن صاحب ہدایہ کے نزدیک سجدہ سہو کا سلام بھی دونوں طرف ہونا چاہیئے۔ حنیفہ کا فتویٰ پہلے ہی قول پر ہے۔

قَعَدَ فِی الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ
جو تھی رکعت کا قعدہ[1] کیا اور پھر پانچویں کے لیے اٹھا اور سلام نہ پھیرا

يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْاُوْلٰى عَادَ اِلَى الْقُعُوْدِ
اور اسے پہلا قعدہ گمان کیا تو لوٹ آئے قعدے کی طرف[2] جب تک

مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ
کہ اس نے پانچویں (رکعت) کا سجدہ[3] نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ

لِلسَّهْوِ وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ
سہو کرے اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ ملا دیا ہو[4] تو اس

اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ
کے ساتھ اور رکعت ملا دے اور اس کی نماز پوری ہو گئی

وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ وَمَنْ
اور اس کی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور جسے اپنی نماز

مشکل الفاظ: يَظُنُّهَا: اُسے سمجھ کر (ظن بمعنی گمان) اَلْقُعُوْدُ: مصدر بیٹھنا۔ قَعَدَ ماضی۔ بیٹھا
قَيَّدَ: مقید کیا۔ پابند کیا۔ ملایا۔ ضَمَّ: ملایا (ماضی) تَمَّتْ: پوری ہو گئی نَافِلَةٌ: نفل۔

[1] بیٹھنے سے یہاں مُراد کم از کم تشہد پڑھنے کی مقدار کے مطابق بیٹھنا ہے یہ کہ ذرا سا بیٹھے اور اُٹھ کھڑا ہو۔

[2] چونکہ یہ شخص تشہد پڑھ کر اس خیال سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا کہ یہ پہلا تشہد ہے، لہٰذا سجدہ سے پہلے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آنے کی صورت میں دوبارہ تشہد نہ پڑھے گا۔

[3] کیونکہ ابھی اُس نے سجدہ نہیں کیا اور اس سے پہلے پہلے رکعت ضائع ہو سکتی ہے اور یہ ضائع کرنا نماز کی خرابی کی اصلاح کے لئے ہے۔

[4] آخری قعدہ کر لینے سے اس شخص کے فرض پورے ہو چکے تھے اب جو پانچویں رکعت پڑھی ہے اس کے ساتھ چھٹی بھی ملا لے تاکہ نفل جفت ہو جائیں اور ایک ہی رکعت نہ رہ جائے پس اس کے چار فرض اور دو نفل ادا ہوئے۔

شَكَّ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا

کے متعلق شک[1] ہوا پس اسے معلوم نہ رہا کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار

وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اِسْتَانَفَ

پس اگر اسے یہ پہلا موقع (شک[2]) پیش آیا ہے تو نئے سرے سے

الصَّلٰوةَ فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهٗ كَثِيْرًا بَنٰى عَلٰى

شروع کرے اور اگر اسے شک واقع ہوتا ہو اکثر تو (وہ) بنا کرے

غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ

اپنے غالب ظن پر اگر اس کا گمان (غالب) ہو سکے اور اگر اس کا گمان

مشکل الفاظ: شَكَّ: شک کیا (ماضی) لَمْ يَدْرِ: نہ جانا، معلوم نہ رہا (درایۃ مصدر)
اَمْ: یا عَرَضَ: پیش آیا۔ اِسْتَانَفَ: ازسرِنو پڑھے، شروع کرے (استیناف مصدر)
عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ: اس کے (اپنے) غالب گمان پر۔ ظَنٌّ: گمان

[1] شک اور ظن میں یہ فرق ہے کہ شک میں اثبات اور نفی دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی۔ لیکن ظن میں یہ ہوتا ہے، کہ شک پیدا ہونے کے بعد کسی ایک طرف کو ترجیح ہو جاتی ہے حنفیہ کا عمل اسی پر ہے کہ اگر شک محض شک نہیں رہا بلکہ ظن کے درجہ میں آگیا تو اس پر عمل کیا جائے گا اس کا ثبوت اس حدیث میں بھی ہے جو عبد اللہ بن مسعودؓ سے آئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ: جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے تو درستی کو پانے کی کوشش کرے اور اس پر (نماز) مکمل کرے۔" یہ تحرّی وہی ظنِ غالب ہے، جس کا ذکر قدوریؒ نے کیا ہے کیونکہ درستی کو پانے کی کوشش سے شک محض شک نہیں رہا بلکہ گمانِ غالب تک پہنچ کر یقین کے حکم میں ہو گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شک کی صورت میں یقین پر بنا کرے یعنی کم از کم مقدار جو یقیناً پڑھ چکا ہے۔ اب اس سے آگے شروع کرے اور آخر میں سجدۂ سہو ادا کرے۔ حنفیہ کے ہاں اگر شک گمانِ غالب کے درجے تک آجائے تو بہتر ورنہ نماز ازسرِنو ادا کرے۔

[2] یعنی عام طور پر اسے نماز میں شک ہو جانے کی عادت نہیں ہے۔" پہلا موقع" سے مراد یہاں یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں یہ شک اسے پہلی ہی مرتبہ ہوا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شک کا عادی نہ ہو۔ اگر وہ شک کا عادی ہے تو گمانِ غالب پر عمل کرے گا اور اگر گمانِ غالب نہیں محض شک ہی شک ہے تو کم از کم مقدار جو یقینی ہے، اس کو بنیاد قرار دیکر نماز کی تکمیل کریگا اور سجدہ سہو کریگا۔ اگر وہ شک کا عادی نہیں ہے تو نماز ازسرِنو پڑھے کیونکہ اس کے لیے یہ عذر موجود نہیں کہ وہ شک کا عادی ہے۔ قدوریؒ نے آخری صورت جو تحریر فرمائی ہے کہ اگر اسے ظنِ غالب حاصل نہیں تو یقین پر بنا کرے اس کی بنیاد ابن ماجہؒ کی ایک حدیث ہے مگر یہ حدیث اتنی مضبوط بھی نہیں بلکہ اس میں کلام کیا گیا ہے)

حضورؐ نے فرمایا کہ جب تمہیں دو اور ایک میں شک ہو تو اسے ایک ہی قرار دو۔ اگر دو اور تین میں شک ہو تو اُسے دو قرار دو اور جب تین اور چار میں شک ہو تو اسے تین ٹھہراؤ اور جو باقی ہے اسے پورا کر لو۔ اب اگر وہم رہیگا تو اسی زیادت میں رہے گا (لیکن یقین پر عمل ہو جائے گا) اور پھر سجدۂ سہو کر لو"۔ اس حدیث کے ساتھ جب اوپر بیان کی ہوئی حدیث ملائی جائے تو حنیفہ کا مسلک بالکل واضح ہو جاتا ہے، کہ انہوں نے کس طرح ہر ارشاد کو اسکے صحیح موقع و محل میں استعمال کیا ہے۔

لِأَنَّ الظَّنَّ يُبْنَى عَلَى الْيَقِيْنِ

(غالب) ظن ہو تو بنا کرے یقین پر

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

بیمار کی نماز کا باب

إِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلَّى قَاعِدًا

جب مشکل ہو مریض کے پر کھڑا ہونا (تو) نماز پڑھ لے بیٹھ کر

يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ

(اور) رکوع اور سجدہ کرتا ہے پس اگر رکوع اور سجدہ (بھی) نہ کر سکے

مشکل الفاظ: تَعَذَّرَ: مشکل ہو گیا (ماضی از مصدر تعذّر) يَرْكَعُ: رکوع کرے لَمْ تَسْتَطِعِ: نہ کر سکا۔ طاقت نہ ہوتی۔

[1] بیماری کی وہ حد جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، یہ ہے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نقصان ہوتا ہو۔ یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں مریض اس حد تک پہنچا ہے یا نہیں خود اُسی کا کام ہے جس کے لیے وُہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

[2] بحالتِ مجبوری بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے کا قائم مقام ہے اس لیے اگر نماز ہی میں کوئی شخص تندرست ہو جائے تو باقی نماز کھڑا ہو کر ادا کرے جتنی نماز بیٹھ کر پڑھی تھی وہ ہو گئی اسی پر باقی کی بنا رکھے، لیکن لیٹ کر یا اشارے سے نماز پڑھنا محض ایک عذر کی حالت ہے، اپنا یا اشارہ کرنا قیام کا قائم مقام (بدل) نہیں ہے۔ لہٰذا اگر لیٹ کر یا اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے اگر یہ عذر جاتا رہے تو باقی نماز کی بنا پہلی نماز پر نہیں ہو گی بلکہ ساری نماز از سرِ نو پڑھے۔ جو شخص اصل (قیام) پر قادر ہے، نہ اُسے قیام کے بدل (قائم مقام) یعنی بیٹھنے کی طاقت ہے، اور عذر بھی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ سر سے اشارہ کرنے کی قدرت بھی نہیں تو اس کے حق میں نماز کو ملتوی کر دیا جائیگا۔ اشارہ سے مُراد سر کا اشارہ ہے۔ محض آنکھ، ابرو یا دِل کا اشارہ ارکانِ نماز کے لیے کافی نہیں۔ بخاری جلد اصفحہ ۱۵۰ میں ہے کہ حضرت عمرانؓ بن حصین کو بواسیر کی بیماری تھی انھوں نے حضورؐ سے نماز کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ "کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر ایسا نہ کر سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو" حسبِ بیان زیلعی جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ اس حدیث میں نسائی کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ "اگر پہلو پر لیٹ کر بھی نہ پڑھ سکو تو سیدھے لیٹ کر پڑھ لو۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی بساط سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتا۔"

وَالسُّجُوْدَ اَوْمٰى اِيْمَاءً وَّجَعَلَ السُّجُوْدَ

تو اشارہ کرتا ہے (اپنے سر سے)[1] اور کرے سجدے کو (سجدے

اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ

کے اشارے کو) زیادہ نیچا رکوع سے (رکوع کے اشارے سے) اور نہ بلند کرے اپنے

شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ

سامنے کوئی چیز جس پر کہ سجدہ کرے پس اگر وہ بیٹھ (بھی) نہ سکے تو

اِسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى

لیٹ جائے اپنی پیٹھ کے بل اور کرے اپنے دونوں پاؤں

الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَاِنِ

قبلہ کی طرف[2] اور اشارہ کرے اپنے سر سے رکوع کا اور سجدوں کا اور اگر

اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهٖ وَوَجْهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى جَازَ

لیٹے اپنے پہلو پر اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو تو اور اشارہ کرے (رکوع و سجود کا) اپنے سر سے تو (یہ بھی) جائز ہے۔

مشکل الفاظ: اَوْمٰى: اشارہ کیا (کرے) اِیماءً (مصدر)۔ اَخْفَضَ: زیادہ پست۔ لَا یَرْفَعُ: نہ اٹھائے۔ وَجْهِهٖ: چہرہ۔ اِسْتَلْقٰى: چت لیٹ گیا۔ قَفَاہُ: گدی (پیٹھ)۔ رِجْلَیْهِ: اُس کے (اپنے) دونوں پیر۔ اِضْطَجَعَ: پہلو پر لیٹا۔ جَنْب: پہلو۔

[1] اُس کا مطلب یہ ہے کہ اشارے سے مُراد سَر کا اشارہ ہے اور کسی چیز کو بلند کر کے اس پر سجدہ نہ کیا جائے۔ امام بیہقیؒ نے معرفۃ السنن والآثار میں اور بزارؒ نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرمؐ ایک بیمار کی خبر پرسی کو تشریف لے گئے۔ وہ اپنے سامنے تکیہ رکھ کر اُس پر سجدہ کر کے نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ حضورؐ نے اُس سے ارشاد فرمایا: "صَلِّ عَلَى الْاَرْضِ اِنِ اسْتَطَعْتَ وَاِلَّا فَاَوْمِ اِيْمَاءً وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ اَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ۔" نماز اگر ہو سکے تو زمین پر ہی پڑھو اور سجدے کے لیے رکوع سے زیادہ جھکو" مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۹۵ میں ہیثمیؒ فرماتے ہیں رِجَالُ الْبَزَّارِ رِجَالُ الصَّحِيْحِ بزار کی روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ درایہ ص ۱۲۷ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ رُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ اس حدیث کے راوی سب معتبر ہیں۔ معرفت کے علاوہ امام بیہقیؒ نے اس روایت کو سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۳۰۶ میں بھی بیان کیا ہے۔

[2] یہ اس عذر کی حالت میں نماز کی ادائیگی کے لیے ہے تاکہ منہ قبلہ کو سیدھا ہو جائے۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۳۰۸ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ: يُصَلِّي الْمَرِيْضُ مُسْتَلْقِيًا عَلٰى قَفَاهُ تَلِيْ قَدَمَاهُ الْقِبْلَةَ: بیمار آدمی سیدھا لیٹ کر نماز پڑھے جبکہ اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔

فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ بِرَأْسِهٖ اُخِّرَ
اور اگر اشارہ بھی سر سے نہ کر سکتا ہو تو نماز مؤخر

الصَّلٰوةَ وَلَا يُوْمِيْ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ
کر دے[۱] اور نہ اشارہ کرے اپنی آنکھ سے اور نہ اپنے

وَلَا بِقَلْبِهٖ فَاِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ
آبرووں سے اور نہ اپنے دل سے اور اگر اسے قدرت ہو قیام پر اور قدرت

عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ
ہو رکوع و سجود پر تو نہیں اس کے ذمہ قیام

وَجَازَ اَنْ يُّصَلِّيَ قَاعِدًا يُوْمِيْ اِيْمَاءً فَاِنْ صَلَّى
لازم[۲] اور جائز ہے اس کیلیے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود کا اشارہ (سر سے)

الصَّحِيْحُ بَعْضَ صَلٰوتِهٖ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ
کرلے اور اگر تندرست نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی (اور) پھر اسے

مشکل الفاظ : اُخِّرَ : موخر کیا، تاخیر کیا۔ بِعَيْنَيْهِ : اپنی آنکھوں سے (عین = آنکھ) حَاجِبٌ : ابرو۔
الصَّحِيْحُ : تندرست۔ حَدَثَ : پیدا ہوا۔ لاحق ہوگیا۔

[۱] "نماز مؤخر کر دے" کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی اس خاص حالت کی وجہ سے نماز کی فرضیت اس سے ٹل نہیں جاتی صرف اُسے پیچھے ڈالا جاتا ہے، اور اس قسم کی موخر کردہ نمازیں اگر پانچ سے زیادہ بھی ہو جائیں تب بھی تندرست ہونے یا قدرتِ نماز ہونے پر پڑھی جائینگی۔ یہ حالت بیہوشی کی حالت سے مختلف ہے کیونکہ بیہوشی اگر پانچ نمازوں سے زائد تک لمبی ہو جائے تو ان کی فرضیت ٹل جائے گی کیوں کہ بیہوشی کی وجہ سے مریض حکم نماز کا مخاطب نہیں رہا۔

[۲] یعنی رکوع و سجود تو بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بھی کرتا ہی ہے اس لیے یہ دونوں قیام سے زیادہ قوی ہیں۔ نیز قیام پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں قعود (بیٹھ کر ادا کرنا) اس کا قائم مقام ہے لیکن رکوع و سجود کا کوئی بدل (قائم مقام) نہیں۔ انتہائی عذر کی حالت میں جس طرح قیام کی بجائے لیٹ جانا جائز ہے اسی طرح رکوع و سجود کو اشارے سے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ پس حتی الوسع رکوع و سجود بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی (ہر دو) صورت میں ادا کیا جانا لازم ہے۔

بِهٖ مَرَضٌ أَتَمَّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَيُومِي

مرض لاحق ہوا (تو) پورا کرے نماز کو (باقی نماز کو) بیٹھ کر (اور) رکوع کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور

إِيْمَاءً إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ

اشارہ کر کے (سر سے) اگر وہ رکوع اور سجدہ (بھی) نہ کر سکے

أَوْ مُسْتَلْقِيًا إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ مَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ

یا (باقی نماز مکمل کرے) لیٹ کر اگر بیٹھ (بھی) نہ سکتا ہو اور جس نے نماز پڑھی بیٹھ کر

وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ قَائِمًا

رکوع و سجود کر کے کسی مرض کی وجہ سے پھر وہ تندرست ہوگیا تو بنا کرے اپنی (پہلی) نماز پر کھڑے

عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رح وَأَبِيْ يُوْسُفَ رح وَقَالَ مُحَمَّدٌ رح

ہو کر امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک [2] اور امام محمدؒ کہتے ہیں -

مشکل الفاظ : اَتَمَّ: پورا کیا۔ قَاعِدًا: بیٹھ کر۔ مُسْتَلْقِيًا: چت لیٹ کر، استلقاء مصدر۔ صَحَّ: تندرست ہوگیا۔ بَنٰی: بنا کی۔ بنیاد رکھی۔

[1] یعنی جتنی نماز باقی ہے اس پر مریض کی نماز کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ نمازی اس وقت تک حالتِ مرض میں ہے۔

[2] جو اختلاف اس مسئلہ میں ہے وہی بیٹھ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے کھڑا ہو کر پڑھنے والے مقتدی کے مسئلہ میں بھی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ بناء اور اقتداء دونوں کے احکام ایک جیسے ہیں۔ جہاں اقتداء جائز ہے وہاں بناء بھی جائز ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک کھڑا ہو کر پڑھنے والا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، اور اسی طرح جو نماز بیٹھ کر شروع کی تھی اگر دورانِ نماز میں تندرست ہوگیا تو باقی نماز کھڑا ہو کر پڑھے گا از سر نو ساری نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ کھڑے ہو کر پڑھنے والے مقتدی کی نماز بیٹھ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بیٹھ کر پڑھ رہا تھا اور دورانِ نماز میں تندرست ہوگیا تو نماز از سر نو شروع کریگا جو نماز بیٹھ کر پڑھ چکا ہے اس پر اب باقی نماز کی (جسے کھڑا ہو کر پڑھنا تھا) بنا نہیں کریگا۔ لیکن یہ مسئلہ صرف بیٹھنے اور کھڑا ہونے تک ہی محدود ہے ورنہ جو شخص بیٹھنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے کسی دوسرے کی نماز بالاتفاق جائز نہیں اس لیے اشارے سے پڑھنے والا اگر دورانِ نماز میں تندرست ہو جائے تو اسے سب کے نزدیک نئے سر سے نماز پڑھنی چاہیے اشارے والی نماز پر تندرست کی نماز کی بنا کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔

إِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ فَإِنْ صَلّٰى بَعْضَ صَلٰوتِهٖ بِإِيْمَاءٍ

کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس نے اپنی بعض نماز اشارے سے پڑھی

ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ إِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ وَ

(اور) پھر اسے قدرت ہوئی رکوع اور سجود پر (تو بالاتفاق) نئے سرے

مَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فَمَا دُوْنَهَا

سے نماز پڑھے اور جس پر بیہوشی رہی پانچوں نمازوں تک یا ان سے کم تک

قَضَاهَا إِذَا صَحَّ وَإِنْ فَاتَتْهُ بِالْإِغْمَاءِ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَقْضِ

(ان نمازوں کو) قضا کرے جب تندرست ہو اور اگر اس سے فوت ہوئیں بیہوشی کی وجہ سے اس سے زیادہ (نمازیں تو تندرست ہو کر قضا نہ کرے)

بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ

تلاوت کے سجدے کا باب

فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِيْ آخِرِ الْأَعْرَافِ

قرآن پاک میں چودہ سجدے ہیں (سورۃ) اعراف کے آخر

مشکل الفاظ: اِسْتَأْنَفَ: از سرِ نو پڑھی۔ قَدَرَ: طاقت ہوئی، قادر ہوا، قدرت ملی۔ أُغْمِيَ: بیہوش ہوا۔ اغماء مصدر۔ مَا دُوْنَهَا: اس سے کم۔ لَمْ يَقْضِ: قضا نہ کی۔ أَرْبَعَ عَشْرَةَ: چودہ (۱۴)

ے بیہوشی کی حالت کی نمازیں پانچ ہوں یا زیادہ یا ایک دو امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک ان کی کوئی قضاء نہیں وہ ذمہ سے ٹل جاتی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کے پیروؤں کے نزدیک اس حالت کی نمازیں چاہے کم ہوں یا زیادہ سب کی قضا لازم ہے، وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہیں۔ احنافؒ نے ان دونوں کے درمیان ایک وسطی راہ اختیار کی ہے کہ اگر پانچ نمازوں سے کم فوت ہوں تو ان کی قضاء لازم ہے، اس سے بڑھ جائیں تو ساقط ہو جائیں گی ان کی قضا نہیں۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار ص۲۲ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے: أَنَّهٗ قَالَ فِي الَّذِيْ يُغْمٰى عَلَيْهِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً قَالَ يَقْضِيْ: "عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا جس شخص پر ایک رات اور دن بیہوشی طاری رہے وہ نمازیں قضاء کرے" اس سے معلوم ہوا کہ پانچ سے زائد نمازوں کی صورت میں قضاء نہیں ہے۔

ے وہ چودہ (۱۴) سجدے مندرجہ ذیل مقامات پر ہیں: اعراف پ۹ ع۱۴ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ، رعد پ۱۳ ع۲ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ، النحل پ۱۴ ع۶، بنی اسرائیل پ۱۵ ع۱۲ وَيَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ، مریم پ۱۶ ع۴ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا، الحج پ۱۷ ع۲، أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ۔ (سورۂ الحج ع۱۰ میں يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ

باقی صفحہ ۹۷ پر

وَفِی الرَّعْدِ وَفِی النَّحْلِ وَفِی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَمَرْیَمَ
میں (سورۂ) رعد میں (سورۂ) نحل میں (سورۂ) بنی اسرائیل سورۂ مریم میں

وَالْاُوْلٰی فِی الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ
اور سورۂ حج کا پہلا (سجدہ) اور (سورۂ) فرقان میں سورۂ نمل میں

وَالٓمٓ تَنْزِیْلُ وَصٓ وَحٰمٓ السَّجْدَۃِ وَالنَّجْمِ
سورہ الم تنزیل میں اور سورۂ صٓ (سورۂ) حٰم السجدہ میں (سورۂ) النجم میں

مشکل الفاظ: اَلْاُوْلٰی: پہلا

۱؎ امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک سُورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت نہیں وہ حج کے دو سجدے شمار کر کے کل سجدوں کی تعداد چودہ بتلاتے ہیں لیکن دارقطنی ص۱۵۶ کی روایت کے مطابق حضُور اکرم نے سورۂ صٓ والا سجدہ خود ادا فرمایا ہے۔ حافظ عسقلانی درایہ ص۱۲۵ میں اور امام نسائی اپنی سنن جلد ا ص۱۵۲ میں اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ سجدہ تلاوت کا نہیں شکر کا تھا تو بھی سجدہ کا ثبوت تو مسلّم ہے، خواہ شکر کا ہو یا امر کی وجہ سے بہر حال اس آیت کی تلاوت کے سبب کیے جانے کی وجہ سے سجدہ تو لازم ہو گا ہی جیسا کہ مرقات جلد ص۵۸ میں علامہ علی القاری نے فرمایا ہے۔

بقیہ:
آمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ میں بھی امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں یہ دُوسرا سجدہ نہیں ہے (صرف ع۲ والا ہی ہے) الفرقان پ۱۹ ع ۵ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ، النمل پ۱۹ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، السجدہ پ۲۱ ع ۲ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا، صٓ پ۲۳ ع ۲ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ، حٰمٓ السجدہ پ۲۴ ع ۵ وَیَسْجُدُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ النجم پ۲۷ فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْہُ، انشقاق پ۳۰ لَا یَسْجُدُوْنَ، العلق پ۳۰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ سُورۃ الحج کے دُوسرے سجدے والی روایت ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام ترمذیؒ کا فیصلہ اس کے متعلق یہ ہے: لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ "اس کی سند مضبوط نہیں ہے" ترمذی جلد ا ص۷۵ اسی لیے حنفیہ کے نزدیک یہ سجدہ نہیں، صرف اُوپر مذکور چودہ سجدے ہیں۔

وَالْاِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ وَالسُّجُوْدُ وَاجِبٌ فِیْ هٰذِهِ
(سورہ) انشقاق میں (سورہ) علق میں اور ان تمام مواقع میں سجدہ واجب ہے

الْمَوَاضِعِ عَلَی التَّالِیْ وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ
تلاوت کرنے والے اور سننے والے (دونوں) کو برخواہ اس (سننے والے)

مشکل الفاظ : اَلْمَوَاضِعِ: موضع کی جمع (جگہیں) اَلتَّالِیْ: پڑھنے والا۔ اَلسَّامِعِ: سننے والا۔ سَوَاءٌ: برابر ہے (خواہ) قَصَدَ: ارادہ کیا۔ سَمَاعَ: سننا

لہ مسلم جلد ا صلا میں ہے کہ جب کوئی سجدۂ تلاوت کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ وَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ: "آدم کے بیٹے کو سجدے کا حکم ہوا سو اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ہوا اور میں نے انکار کیا اس لیے میرے لیے جہنم کی آگ ہے" اس حدیث میں حضورؐ نے حکایت کے رنگ میں سجدۂ تلاوت کے لیے لفظ امر ارشاد فرمایا ہے اور امر کسی چیز کو واجب کرنے کے لیے ہوتا ہے، پس سجدۂ تلاوت واجب ہوا۔ بدائع جلد ا صنا میں ہے: اِنَّ الْحَکِیْمَ مَتٰی حَکٰی عَنْ غَیْرِ الْحَکِیْمِ اَمْرًا وَلَمْ یُعَقِّبْهُ بِالنَّکِیْرِ یَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰی اَنَّهٗ صَوَابٌ فَکَانَ فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلُ کَوْنِ ابْنِ اٰدَمَ مَامُوْرًا بِالسُّجُوْدِ وَمُطْلَقُ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ وَعَنْ عُثْمَانَؓ وَعَلِیٍّؓ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّهُمْ قَالُوْا اَلسَّجْدَةُ عَلٰی مَنْ سَمِعَهَا وَعَلٰی مَنْ جَلَسَ لَهَا عَلٰی اِخْتِلَافِ اَلْفَاظِهِمْ وَکَلِمَةُ اِیْجَابٍ. "حکیم (دانا) شارع) جب کسی غیر حکیم کی بات نقل کرے اور اس کا رد نہ کرے۔ تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بات درست ہے اس لیے اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ ابن آدم سجدۂ تلاوت کرنے پر مامور ہے اور امر کے ساتھ جب کوئی شرط وغیرہ نہ لگی ہو تو وہ وجوب کے لیے ہوتا ہے اور حضرت عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص سجدہ کی آیت کو سنے اور اس کے لیے بیٹھا ہو اس پر سجدہ لازم ہے۔ ان حضرات کے الفاظ اور کلمہ ایجاب اس روایت میں مختلف ہیں (لیکن مطلب و مفہوم ایک ہی ہے) مغنی ابن قدامہؒ جلد ا صلا میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے حضورؐ کے سامنے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی لیکن حضورؐ نے (اس وقت) سجدہ نہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ واجب تو ہے لیکن فوری طور پر نہیں بلکہ کچھ دیر کے بعد بھی ادا ہو سکتا ہے۔ درایہ صلا میں ہے کہ عبداللہؓ بن عمر نے فرمایا: اَلسَّجْدَةُ عَلٰی مَنْ سَمِعَهَا "جو شخص سجدہ کی آیت سنے اس پر بھی سجدہ لازم ہے"۔ ان دلائل سے حنفیہ

کا مسلک ثابت ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ امام مالکؒ شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنتِ موکدہ ہے۔

[2] آیتِ سجدہ سننے سے سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے چاہے وہ باوضو ہو یا بے وضو۔ سننے کا ارادہ رکھتا ہو یا بلا ارادہ سن لے۔ امام نخعیؒ، حمادؒ اور سعیدؒ بن جبیر جیسے بڑے بڑے تابعین کا ارشاد ہے: اِذَا سَمِعَ الْجُنُبُ السَّجْدَةَ اَغْتَسَلَ ثُمَّ سَجَدَ (عینی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۵۵۸) جب جنبی (ناپاک) آدمی آیتِ سجدہ سن لے تو غسل کرنے کے بعد سجدہ کرے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی کی حالت میں تو سجدہ نہ کرے مگر آیت سن چکنے کے بعد اس پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ میں بیہقیؒ کے حوالے سے ایک صحیح الاسناد روایت منقول ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: لَا يَسْجُدُ الرَّجُلُ اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ "سجدہ صرف پاک ہونے کی حالت میں (باوضو) کرے" سجدۂ تلاوت کے لیے ستر ڈھانکنا، قبلے کی طرف ہونا اور نیت بھی ضروری ہے اس امر میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں حضرت عثمانؓ سے روایت ہے اور یہی فتویٰ سعیدؒ بن المسیب کا بھی ہے (المغنی ابن قدامہ جلد ۱ صفحہ ۶۵۵) کہ حائضہ عورت جب آیتِ سجدہ کو سنے تو اپنے سر کو ذرا سا جھکا دے۔ لیکن یہ سجدہ نہیں صرف سجدہ جیسی صورت بنانا ہے لہذا خارج از بحث ہے۔

"تتمہ: سجدے کی آیت سے سننے والے پر سجدہ تبھی واجب ہو گا جب کہ خود پڑھنے والے پر بھی واجب ہو لہذا اگر کوئی طوطا سجدے کی آیت رٹ کر پڑھ رہا ہو تو سننے والے پر سجدہ واجب نہیں کیونکہ پڑھنے والا حیوان ہے اور احکام شرع کا مخاطب نہیں۔ درِمختار میں ہے کہ لَا تَجِبُ بِسَمَاعِهٖ مِنَ الصَّدىٰ وَالطَّيْرِ" اگر سجدۂ تلاوت گنبد کی صدائے بازگشت سے یا پرندے سے سُنے تو سجدہ واجب نہیں"۔ ان ریڈیو پر جب آیتِ سجدہ سُنے تو سجدہ واجب ہو جائے گا، کیونکہ سنانے والا انسان ہے اور اس کی اصل آواز پہنچ رہی ہے۔ صدائے بازگشت (گونج) نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)

الْقُرْاٰنَ اَوْ لَمْ يَقْصِدْ فَاِذَا تَلَا الْاِمَامُ اٰيَةَ

اور قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ پس جب امام سجدے کی آیت تلاوت

السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَاْمُوْمُ مَعَهٗ فَاِنْ

کرے (تو) سجدہ کرے اور مقتدی بھی اس کے ساتھ ہی سجدہ کرے (اور)

تَلَا الْمَاْمُوْمُ لَمْ يَلْزَمِ الْاِمَامَ وَلَا الْمَاْمُوْمَ

اگر مقتدی سجدے کی آیت پڑھے تو سجدہ امام پر لازم نہیں اور

السُّجُوْدُ وَاِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ اٰيَةَ

نہ مقتدی پر اور اگر وہ سنیں درحالیکہ وہ نماز میں ہوں سجدہ کی آیت ایک ایسے

سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ

شخص سے جو ان کے ساتھ نماز میں (شامل) نہیں تو نہ سجدہ

لَمْ يَسْجُدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ

کریں اس آیت کے بیلے (حالت) نماز میں اور سجدہ کریں اس کے

مشکل الفاظ: لَمْ يَقْصِدْ: ارادہ نہ کیا تَلَا: پڑھی تلاوت کی۔ اَلْمَاْمُوْمُ: مقتدی سَمِعُوْا: انہوں نے سنا (سماع مصدر) آيَةَ سَجْدَةٍ، سجدہ کی آیت۔

ؔلہ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک وہ مقتدی نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے کیوں کہ سجدہ کا سبب (تلاوت) عمل میں آچکا ہے اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا عمل امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے قول پر ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مقتدی کے لیے تلاوتِ قرآن جائز ہے کیونکہ وہ تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں بحث صرف اس میں ہے کہ اگر کسی نے غلطی سے آیتِ سجدہ پڑھ ڈالی تو اس پر سجدہ آئے گا یا نہیں۔

الصَّلٰوةِ فَاِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ لَمْ تُجْزِئْهُمْ
پہلے نماز کے بعد (لیکن) اگر انہوں نے سجدہ کر لیا (اس آیت سجدہ کا) نماز میں (تو) یہ سجدہ

وَلَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمْ وَمَنْ تَلَا اٰيَةَ سَجْدَةٍ
انہیں کافی نہیں ہوگا اور نہ ان کی نماز فاسد ہوگی اور جس نے پڑھی آیت سجدہ کی نماز سے

خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي
خارج اور نہ سجدہ کیا اس کے لیے حتیٰ کہ داخل ہوا نماز

الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ لَهُمَا اَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ
میں اور وہی آیت (پھر) پڑھی اور ان دونوں کے لیے (اس نماز میں سجدہ کرلیا) تو یہ سجدہ ان

عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ وَاِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ
دونوں تلاوتوں کے لیے کافی ہو جائیگا[۲] اور اگر اس نے تلاوت کی آیت سجدہ نماز

مشکل الفاظ: لَمْ تُجْزِئْهُمْ: انہیں کافی نہ ہوا (اجزاء مصدر) خَارِجَ الصَّلٰوةِ: نماز سے باہر
تَلَاهَا: پھر اُسے پڑھا۔ اَجْزَأَتْهُ: اُسے کافی ہوگیا عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ، دونوں تلاوتوں سے

[۱] لیکن امام محمدؒ کے نزدیک نماز ٹوٹ جائے گی۔ یہاں بھی فتویٰ شیخین (ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ) کے قول پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ سجدہ اگرچہ یہاں بے محل ہے، لیکن فی نفسہٖ تو نماز کے اعمال میں سے ہے۔

[۲] یہ اس صورت میں ہے کہ جہاں اُس نے نماز سے پہلے آیت سجدہ پڑھی تھی وہیں نماز شروع کردی اور پھر نماز میں آیت سجدہ پڑھی۔ لیکن اگر اُس نے ایک جگہ آیت سجدہ پڑھی پھر جگہ بدل کر دوسری جگہ نماز شروع کی اور اس میں آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اب اُس پر دو سجدے واجب ہیں۔ پہلی صورت میں چونکہ مجلس ایک تھی اور سجدہ کا محل (یعنی نماز کی حالت) پہلی حالت سے قوی تھا لہٰذا یہی سجدہ دونوں کی طرف سے کافی ہوگیا۔ اور اگر اُس نے پہلے نماز سے باہر آیت پڑھی اور سجدہ کر لیا۔ پھر نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو دوبارہ سجدہ واجب ہے کیونکہ پہلا سجدہ جو نماز سے باہر ادا ہوا تھا اس کی نسبت موجودہ حالت قوی ہے کیونکہ اب یہ شخص نماز میں ہے اس لیے اس قوی حالت کو پہلی کے تحت نہیں کیا جا سکتا۔

فَسَجَدَهَا ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا

سے باہر اور اس کا سجدہ کر لیا پھر وہ نماز میں داخل ہو گیا اور (پھر) اسے تلاوت کیا (اب) اس کے لیے پھر

ثَانِيًا وَلَمْ تُجْزِءْهُ السَّجْدَةُ الْاُوْلٰى وَمَنْ كَرَّرَ

سجدہ کرے اور اسے پہلا سجدہ کافی نہ ہو گا اور جس نے بار بار

تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ اَجْزَأَتْهُ

تلاوت کیا ایک ہی سجدے کو ایک ہی مجلس میں لے اسے

سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ وَمَنْ اَرَادَ السُّجُوْدَ كَبَّرَ وَلَمْ

ایک ہی سجدہ کافی ہے اور جو سجدہ کرنا چاہے اللہ اکبر کہے اور

يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ

ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر اللہ اکبر کہے اور سر اٹھا لے

رَأْسَهٗ وَلَا تَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامَ

اور نہیں اس پر تشہد بیٹھنا اور نہ سلام (پھیرنا) ؎۲

مشکل الفاظ: ثَانِيًا: دوسری بار۔ (دُہ) كَرَّرَ: کئی دفعہ پڑھا۔ مکرر کیا۔ بار بار پڑھا۔
تِلَاوَةَ: پڑھنا كَبَّرَ: تکبیر کہی لَمْ يَرْفَعْ: نہ اٹھایا (رفع اٹھانا)
تَشَهُّد: التحیات۔

؎۱ جب آیت سجدہ بھی ایک ہو اور تلاوت کی مجلس بھی ایک تو بار بار کی تلاوت سے صرف ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔ گویا تمام سجدے ایک ہی میں داخل ہو گئے۔ لیکن اگر آیت سجدہ بدل جائے مثلاً پہلے ایک آیت پڑھ رہا تھا اب کوئی اور پڑھ ڈال تو ایک سجدہ کافی نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر مجلس ایک نہ رہے تو بھی ایک سجدہ کافی نہ ہو گا لیکن اگر بیٹھنے کے بعد کھڑا ہو گیا تو مجلس نہیں بدلی۔ اتحادِ مجلس یا اتحادِ آیت کی صورت میں ایک ہی سجدے کا کافی ہو جانا تداخل کہلاتا ہے جب یہ اتحاد نہ رہا تو تداخل ختم ہو گیا اور اصلی حکم جاری ہو گا۔

؎۲ حدیثِ صحیح کی رو سے نماز کی تحریم پہلی تکبیر (تحریمہ) اور سلام اس کی تحلیل ہے یعنی جو چیزیں نماز میں ہونے کی وجہ سے حرام تھیں اب حلال ہو گئیں۔ لیکن یہاں چونکہ تکبیر تحریمہ ہی نہیں لہذا تحلیل (سلام) کا سوال خارج از بحث ہے۔ بدائع جلد ا ص۱۹۳ میں ہے کہ حنفیہ کے ہاں تو چونکہ تحریم نہ تھی اس لیے تحلیل کی بھی ضرورت نہیں مگر امام شافعیؒ کے مسلک کے قیاس پر یہاں بھی سلام لازم ہے۔ امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ اَمَّا التَّسْلِيْمُ فَلَا اَدْرِيْ مَاهُوَ: سجدۂ تلاوت کے بعد سلام کا ہونا میں نہیں جانتا۔" (مغنی ابن قدامہ جلد ا ص۶۵۵)

بَابُ صَلوٰةِ الْمُسَافِرِ

مسافر کی نماز کا باب

اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِہِ الْاَحْکَامُ ھُوَ اَنْ

وہ سفر جس کے ساتھ احکام[1] بدلتے ہیں وہ ہے کہ

یَّقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعًا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْمَقْصِدِ

انسان ایسے مقام کا قصد کرے کہ اس کے اور اس کی (منزل) مقصود کے مابین

مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ[2] بِسَیْرِ الْاِبِلِ وَمَشْیِ الْاَقْدَامِ

تین دن اور رات کی مسافت ہو اونٹ کی چال سے اور پیدل چلنے سے

مشکل الفاظ: یَتَغَیَّرُ: بدلتا ہے (تغیر مصدر) اَلْاَحْکَامُ: حکم کی جمع (شریعت کے احکام) مَوْضِعًا: جگہ اَلْمَقْصِدِ: منزل مقصود مَسِیْرَۃٌ: فاصلہ، مسافت بِسَیْرِ الْاِبِلِ: اونٹ کی چال سے۔ مَشْیٌ: چلنا اَلْاَقْدَامِ: قدم کی جمع ہے۔

[1] اس سفر سے یہ احکام متاثر ہوتے ہیں: (۱) چار فرض والی نمازیں قصر ہو جاتا ہے (۲) سفر رمضان میں ہو تو اس کے روزے دوسرے دنوں سے بدلنا جائز ہے (۳) موزوں پر مسح کی مدت تین دن ہو جاتی ہے (۴) جمعہ وعیدین کی نمازیں مسافر پر لازم نہیں (۷) آزاد عورت محرم کے بغیر اتنا سفر نہیں کرسکتی (۶) مسافر پر قربانی سفر میں واجب نہیں رہتی۔ وغیرہ۔

[2] امام محمدؒ نے کتاب الآثار ص ۳۵ میں صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ علی بن ربیعہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا آپ کتنی مسافت پر قصر کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم سویدا نامی مقام کو جانتے ہو؟ علی بن ربیعہ نے عرض کیا کہ سویدا میں نے دیکھا نہیں سنا ضرور ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ تین معتدل دن رات کی مسافت پر ہے، جب ہم اس کے ارادے سے روانہ ہوں تو قصر کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم مدت سفر تین دن کی مسافت ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک مسافت سفر اڑتالیس میل ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے (العرف الشذی ص ۲۴) بخاری شریف جلد ا ص ۱۴۷ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ کوئی آزاد عورت اپنے محرم کے بغیر تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے۔ ابن عمرؓ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم مدت سفر جس سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے یہی تین دن کی مدت کا سفر ہے اس سے کم مسافت کا سفر وہ شرعی سفر نہیں جس سے قصر وغیرہ لازم آجائے۔ اس سے کم مسافت سفر نہ کہلائیگی بلکہ اسے ایک ہی مکان (جگہ) تصور کیا جائیگا اور اس کے اندر یہاں سے وہاں جانا سفر نہ ہوگا۔ صحیح احادیث کی رو سے مسافر کے لیے موزوں کے مسح کی مدت تین دن رات ہے، اور یہ مدت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہی شرعی سفر کی مدت ہے ورنہ یوں کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ مقیم کے لیے مدت مسح ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین رات دن ہے!

وَلَا مُعْتَبَرَ فِیْ ذٰلِکَ بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ وَ
اور اس میں پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں اور

فَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ رُبَاعِیَّۃٍ
مسافر کے فرض کی رکعات ہر چار رکعات والی نماز میں

رَکْعَتَانِ وَلَا یَجُوْزُ لَہُ الزِّیَادَۃُ عَلَیْھِمَا فَاِنْ صَلّٰی[1]
دو ہیں اور نہیں جائز اسے ان دو رکعت پر زیادہ کرنا ہاں اگر اس

مشکل الفاظ: لَا مُعْتَبَرَ: اعتبار نہیں معتبر نہیں۔ سَیْرٌ: چلنا۔ فَرْضُ الْمُسَافِرِ: مسافر کا فرض۔ رُبَاعِیَّۃ: چار رکعت والی نماز۔ اَلزِّیَادَۃُ: زیادتی کرنا۔ زیادہ پڑھنا۔

[1] احناف کے نزدیک یہ قصر واجب ہے لہٰذا پوری نماز پڑھنا جائز نہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک قصر کرنا یا پوری نماز پڑھنا دونوں جائز ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ سفر میں رمضان کا روزہ رکھنا اور چھوڑنا ہر دو جائز ہیں یہی حال قصر کا بھی ہے، لیکن یہ دلیل درست نہیں کیونکہ روزہ اگر ان دنوں میں نہ رکھا جائے تو ذمہ سے نہیں اترتا بلکہ دوسرے دنوں میں رکھا جائیگا اور نماز جب قصر کی جائے تو باقی دو رکعتیں ساقط ہو جاتی ہیں ان کی ادائیگی دوسرے اوقات میں فرض نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں یہ قصر اسقاط ہے یعنی قصر سے آدھی نماز ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قصر محض آرام پہنچانے کی خاطر ہے جو چاہے فائدہ اٹھالے اور جو چاہے پوری نماز پڑھ لے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ دلائل امامؒ ابو حنیفہؒ کی تائید میں ہیں، مسلم جلد ۱ ص۲۴۲ میں ہے، عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا، حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سفر میں رہا، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی سفر کیا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی سفر کیا۔ یہ سب حضرات زندگی بھر سفر میں قصر ہی کرتے رہے" اگر قصر محض جائز اور رخصت ہی کی حیثیت رکھتا تھا تو یہ حضرات ہمیشہ اس پر عمل نہ فرماتے ان کا ہمیشہ کا عمل بتا رہا ہے کہ قصر رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عینی جلد ۳ ص۵۴۸ میں مذکور ہے کہ: صَلٰوۃُ السَّفَرِ رَکْعَتَانِ مَنْ تَرَکَ السُّنَّۃَ کَفَرَ۔ سفر کی نماز دو رکعت ہے جس نے سنت کو چھوڑا اس نے ناشکری اور قانون شکنی کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد طبرانی میں صحیح سند سے حسب بیان مجمع الزوائد جلد ۱ ص۲۰۳ میں منقول ہے فرمایا: صَلٰوۃُ السَّفَرِ رَکْعَتَانِ نَزَلَتَا مِنَ السَّمَاءِ فَاِنْ شِئْتُمْ فَرُدُّوْھَا: "سفر کی نماز دو رکعت ہے یہ آسمانی حکم ہے تم اگر عمل نہیں کرتے تو اس حکم کی خلاف ورزی ہو گی"۔ مسلم جلد ۱ ص۲۴۱ میں حضرت

عبداللہ بن عمر کا یہ قول مذکور ہے: فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلٰوۃَ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکُمْ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ: تمہارے پیغمبرؐ کی زبان پر اللہ نے حالتِ قیام میں چار رکعت نماز اور سفر میں دو رکعت مقرر فرمائی ہے"۔ معالم السنن میں علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں کہ: کَانَ مَذْھَبُ اَکْثَرِ عُلَمَاءِ السَّلَفِ وَفُقَھَاءِ الْاَمْصَارِ عَلٰی اَنَّ الْقَصْرَ ھُوَ الْوَاجِبُ فِی السَّفَرِ وَھُوَ قَوْلُ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَرُوِیَ ذٰلِکَ عَنْ عُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَقَتَادَۃَ وَالْحَسَنِ (نیل الاوطار جلد ۳)
بزرگانِ سلف کے اکثر علماء، اور مختلف علاقوں کے فقہاء کا مسلک یہی تھا کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے اور یہی علیؓ اور عبداللہ بن عباس کا قول ہے اور عمر بن عبدالعزیز، قتادہؒ اور حسنؒ بصری سے یہی منقول ہے"۔

تتمہ: سفر میں سنت نماز کے متعلق امام محمدؒ کا عمل نہایت متوازن اور فقیہانہ تھا جب چل رہے ہوتے (بحالتِ سیر) تو سنتیں نہ پڑھتے اور جب کہیں ٹھہرے یا اترے ہوتے ہوتے تو پڑھ لیتے تھے (یعنی بحالتِ نزول) البحر الرائق میں یہی لکھا ہے۔ اَلْفِعْلُ حَالَ النُّزُوْلِ وَالتَّرْکُ حَالَ سَیْرٍ (شافی شرح منیۃ المصلی ص۴۲۹)

اَرْبَعًا وَقَدْ قَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ

نے چار رکعت پڑھ لیں اور وہ بیٹھ چکا ہے دوسری رکعت میں بمقدار تشہد

اَجْزَأَتْهُ الرَّكْعَتَانِ عَنْ فَرْضِهِ وَكَانَتِ

تو اسے دو رکعت اس کے فرضوں سے کافی ہو گئیں[۱] اور پچھلی دو

الْاُخْرَيَانِ لَهُ نَافِلَةً وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ

نفل ہو جائیں گی اور اگر وہ نہیں بیٹھا بقدر

فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

تشہد پہلی دو رکعتوں میں

الْاُولَيَيْنِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهُ

تو اس کی نماز جاتی رہی[۲] اور بدل گئی اس کی نماز

نَفْلًا وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِرًا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اِذَا

نفل میں اور جو شخص سفر کے ارادے سے نکلے تو جب شہر کے گھروں سے دور ہو جائے تو دو

مشکل الفاظ: اَجْزَأَتْهُ: اُسے کافی ہو گیا۔ اَلْاُخْرَيَانِ: پچھلی دو رکعتیں (اُخریٰ کی) اَلْاُولَيَيْنِ: پہلی دو رکعتیں (اولیٰ کی) بَطَلَتْ: باطل ہو گئی، جاتی رہی۔ تَحَوَّلَتْ: بدل گئی (تحوّل مصدر)

[۱] دو رکعت پر تشہد کی مقدار پر قعدہ میں بیٹھ جانے کی وجہ سے اس کے دو فرض ادا ہو گئے اور پچھلی دو رکعتیں جو اُس نے پڑھی ہیں وہ نفل شمار ہوں گے لیکن اسے دو رکعت پر سلام کہہ کر نماز ختم کرنی چاہیے تھی اب سلام میں دیر کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔ یہ گناہ الگ چیز ہے نماز اس کی ادا ہو گئی کیوں کہ اس کے تمام ارکان ادا ہو چکے ہیں۔

[۲] کیونکہ اُس نے فرض نماز کا آخری قعدہ نہیں کیا اور فرض کے ارکان پورے کرنے سے پہلے نفل کو اس کے ساتھ ملا دیا۔ فرض تو اس کے دو ہی تھے اور وہ ابھی تک پورے نہیں ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ نماز پائی گئی لہٰذا وہ نفل شمار ہو گی۔ فرض از سرِ نو ادا کرے۔

[۳] مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۰۴ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، اور حسب بیان حافظ ابن حجرؒ اس کی سند اچھی (جید) ہے (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۶۷)، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر کیے ہیں، كُلُّهُمْ صَلّٰى مِنْ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهَا رَكْعَتَيْنِ. یہ سب حضرات مدینے سے نکلنے کے وقت سے لے کر واپس آنے تک چار رکعت والی نماز کی دو رکعت پڑھتے تھے۔" فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۶۹ میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد درج ہے کہ: "شہر سے نکلتے ہی جبکہ ابھی ہمیں اپنے گھر نظر آ رہے ہوتے تھے ہم لوگ نماز کو قصر کرنا شروع کر دیتے تھے" اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی آخری آبادی سے جدا ہوتے ہی سفر کے احکام شروع ہو جاتے ہیں۔

فَارَقَ بُيُوْتَ الْمِصْرِ وَلَا يَزَالُ عَلٰى حُكْمِ

رکعتیں ہی پڑھے اور وہ برابر رہے گا حکم مسافر میں

الْمُسَافِرِ حَتّٰى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِيْ بَلْدَةٍ

جب تک کہ اقامت کی نیت نہ کرے کسی شہر میں

خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ فَإِنْ

پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی لہ پس (اس صورت میں) اسے اتمام (نماز

نَوَى الْإِقَامَةَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يُتِمَّ

پوری پڑھنا) لازم آئے گا اور اگر اس نے اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کی (تو)

وَمَنْ دَخَلَ وَلَمْ يَنْوِ أَنْ يُقِيْمَ فِيْهِ خَمْسَةَ

پوری نہ پڑھے اور جو شخص کسی جگہ داخل ہو اور اس نے اس میں پندرہ

عَشَرَ يَوْمًا وَإِنَّمَا يَقُوْلُ غَدًا أَخْرُجُ أَوْ بَعْدَ

دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو اور یہی کہتا رہا کہ کل یا پرسوں

مشکل الفاظ: فَارَقَ: جدا گیا (مفارقت مصدر) بُيُوْت: بیت کی جمع۔ گھر لَا يَزَالُ: برابر رہیگا۔ قائم رہیگا۔ يَنْوِيَ: نیت کرے۔ الاقامۃ: ٹھہرنا بَلْدَةٍ: شہر فصاعداً: یا اس سے زیادہ الاِتْمَامُ: پورا کرنا، پوری نماز (پڑھنا) نَوٰى: نیت کی۔ اَقَلَّ: کم تر لَمْ يُتِمَّ: پوری نہ کرے۔ لَمْ يَنْوِ: نیت نہ کی۔ اَنْ يُقِيْمَ: کہ ٹھہرے غداً: کل بعد غدٍ: پرسوں۔

لہ امام محمدؒ نے کتاب الحج میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ جب پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لیتے تھے تو نماز پوری پڑھا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمرؓ سے ہی روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر پندرہ دن ٹھہرنے کا پکا ارادہ کر لو تو پوری نماز پڑھو۔ لیکن اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی دیر ٹھہرو گے (یعنی اس مدت کی نیت نہ کر لی ہو) تو قصر کرتے رہو (پھر چاہے اس سے زیادہ مدت تک بھی قیام ہو جائے نیت نہ ہونے کی وجہ سے مسافر ہی رہو گے)۔

غِبُ آخْرُجُ حَتّٰى بَقِيَ عَلٰى ذٰلِكَ سِنِيْنَ صَلّٰى
جاؤں گا حتیٰ کہ اس حال میں وہ کئی سال رہا تو دو رکعتیں[۱]

رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ فِيْ أَرْضِ الْحَرْبِ
ہی پڑھتا رہے اور جب لشکر میدان جنگ میں داخل ہو

فَنَوَوْا الْإِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمُّوا
اور انہوں نے وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہ نماز پوری نہ

الصَّلٰوةَ وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِيْ صَلٰوةِ
پڑھیں اور جب مسافر مقیم کی نماز میں داخل

الْمُقِيْمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ
ہو باوجود وقت کے باقی ہونے کے تو وہ نماز پوری پڑھے[۲]

وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِيْ فَائِتَةٍ لَمْ تَجُزْ
اور اگر وہ (مسافر) داخل ہوا اس (مقیم) کیساتھ نماز فائتہ میں تو اس

مشکل الفاظ : بَقِيَ : باقی رہا۔ سِنِيْنَ : کئی سال۔ سَنَۃٌ کی جمع۔ اَلْعَسْكَرُ : لشکر۔ اَرْضُ الْحَرْبِ : میدان جنگ۔ جنگ کی زمین۔ نَوَوْا : انہوں نے نیت کی۔ بَقَاء : باقی رہنا۔ فَائِتَۃٌ : فوت شدہ نماز۔

[۱] امام بیہقی نے معرفۃ السنن میں صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: "ہم لوگ آذربائیجان میں ایک جہاد کے سلسلے میں چھ ماہ تک ٹھہرے رہے برف نے راستہ بند کر رکھا تھا اور ہم قصر نماز ہی پڑھتے رہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں اقامت کی نیت معتبر نہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ جب اقامت کی نیت نہ ہو تو چاہے جتنا عرصہ گزر جائے نماز قصر ہی ہو گی۔ امام بیہقیؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں بیس دن ٹھہرے رہے اور نماز قصر ہی کرتے رہے" اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اقامت کی نیت نہ ہو انسان مسافر ہی شمار ہو گا اور قصر کرتا رہے گا۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب جلد ا ص۷۲ میں فرمایا ہے:
اَجْمَعَ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى اَنَّ لِلْمُسَافِرِ اَنْ يَّقْصُرَ مَالَمْ يُجْمِعِ الْاِقَامَةَ وَاِنْ اَتٰى عَلَيْهِ سِنُوْنَ:
اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مسافر جب تک اقامت کا پختہ ارادہ نہ کرے وہ قصر نماز ہی پڑھتا رہے گا اگرچہ اس پر کئی سال اسی حالت میں گزر جائیں"۔

[۲] مؤطا امام مالکؒ ص۵۲ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ منیٰ میں جب امام (مقیم) کے پیچھے نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور اگر اکیلے نماز پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ امام مقیم کے

پیچھے نماز ادا کرنے سے مسافر کی نماز اپنے امام کی متابعت میں چار رکعت ہو جاتی ہے جس طرح کہ اقامت کی نیت بھی دو رکعت کو چار کر دیتی ہے۔ لیکن اقامت کی نیت سے صرف وہی نماز پوری ہوگی جس کا وقت باقی ہو۔ اگر نماز کا وقت گزر گیا لیکن آخر وقت تک مسافر نے اقامت کی نیت نہیں کی تو اگلی نماز کے وقت میں اقامت کی نیت کر لینے سے پہلی نماز پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کی قضاً صرف دو رکعت ہی ہوگی کیونکہ جب اس شخص نے اقامت کی نیت کی تھی تو پہلی نماز کا وقت نکل چکا تھا لہٰذا وہ اس نیت سے متاثر نہ ہوگی۔

صَلٰوتُهٗ خَلْفَهٗ وَاِذَا صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيْمِيْنَ

(مسافر) کی نماز اس (مقیم) کے پیچھے جائز نہیں [۱] اور جب مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِيْمُوْنَ

رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے پھر مقیم لوگ اپنی نماز

صَلٰوتَهُمْ وَيُسْتَحَبُّ لَهٗ اِذَا سَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ

پوری کریں اور اس (مسافر امام) کے لیے مستحب ہے کہ جب سلام پھیرے تو

لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ وَاِذَا

انہیں کہہ دے (کہ) تم اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں [۲] اور جب

مشکل الفاظ: خَلْفَهٗ: اُس کے پیچھے۔ بِالْمُقِيْمِيْنَ: مقیم لوگوں کے ساتھ۔ يُسْتَحَبُّ: بہتر ہے پسندیدہ (مستحب) ہے۔ اَتِمُّوْا: پوری کرو۔ سَفْرٌ: مسافر لوگ (مسافر کی جمع)

[۱] حالتِ سفر میں مسافر کی جو نماز فوت ہوگئی وہ دو رکعت تھی اور اب اس کا اصلی وقت موجود نہیں ہے، لہذا امام کی متابعت میں یہ دو رکعت نماز چار رکعت میں نہیں بدل سکے گی لہذا مقیم امام کے پیچھے اس فوت شدہ نماز کو قضاء کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا ایک سبب اور بھی ہے وہ یہ کہ مسافر مقتدی کے حق میں دو رکعت پر قعدہ (بوجہ آخری قعدہ ہونے کے) فرض ہے حالاں کہ امام کا یہ قعدہ آخری نہیں اس لئے اس پر فرض نہیں اس صورت میں فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے لازم آجائے گی اور پیچھے گزر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مسافر کے لیے نیت اقامت کرکے دو رکعت کو چار میں تبدیل کر لینے کا اختیار اس وقت تک تھا جب تک نماز کا اصلی وقت موجود تھا اور اب وہ وقت نکل چکا ہے۔ پس فوت شدہ نماز کی اقتداء مقیم کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ امام کے پیچھے تو اسے چار ہی رکعت پڑھنی پڑیں گی اور وقت نکل جانے کی وجہ سے دو کو چار کر لینے کا اختیار ختم ہو چکا ہے۔

[۲] ترمذی جلد ۱ ص۷۳ میں ہے کہ حضورؐ حالتِ سفر میں نماز پڑھانے تو فرمایا کرتے: يَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ: "اے مقیم لوگو! تم چار رکعت پڑھ لو کیونکہ ہم تو مسافر لوگ ہیں" اسی طرح مؤطا امام مالکؒ ص۵۲ میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب مکہ تشریف لاتے تو جماعت کرانے کے بعد کہہ دیتے تھے: يَا اَهْلَ مَكَّةَ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ "اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم لوگ تو مسافر ہیں" مراقی الفلاح ص۲۴۸ میں ہے کہ امام کو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہیئے تاکہ مقتدیوں کو شبہ نہ رہے اور بعد میں گڑبڑ نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کچھ لوگ آخری رکعتوں میں آکر بعد میں شامل ہوئے لہذا امام کو سلام کے بعد اعلان کر دینا چاہیئے تاکہ وہ بھی آگاہ ہو جائیں اور جماعت میں کوئی انتشار پیدا نہ ہونے پائے۔

دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَهُ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَاِنْ لَمْ
مسافر اپنے شہر میں داخل ہو تو وہ نماز پوری پڑھے خواہ اس نے وہاں

يَنْوِ الْاِقَامَةَ فِيْهِ وَمَنْ كَانَ لَهٗ وَطَنٌ
اقامت کا ارادہ کیا ہو اور جس کا کوئی وطن ہو پس وہ وہاں سے منتقل

فَانْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهٗ ثُمَّ سَافَرَ
ہو گیا کوئی اور وطن بنا لیا پھر اس نے سفر کیا

فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ
پس اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا (تو) نماز پوری نہ پڑھے [1]

وَاِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ اَنْ يُّقِيْمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى
اور جب کسی مسافر نے یہ نیت کی کہ وہ مکہ اور منیٰ میں [2]

خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ وَالْجَمْعُ
پندرہ دن اقامت کرے گا تو وہ نماز پوری نہ پڑھے اور دو

بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِلْمُسَافِرِ يَجُوْزُ
نمازوں کا جمع کرنا مسافر کے لیے جائز ہے عملی طور پر اور

مشکل الفاظ : مِصْرَهٗ : اس کا (اپنا) شہر فَانْتَقَلَ : سو وہ چلا گیا (منتقل ہو گیا) اَسْتَوْطَنَ : وطن بنا لیا۔ سَافَرَ : سفر کیا۔

[1] مکہ مہاجرین کا پہلا وطن تھا جسے چھوڑ کر انھوں نے مدینہ کو وطن بنا لیا تھا اور ابھی پیچھے گزر چکا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ اور حضرت عمرؓ جب مکہ جاتے تھے تو وہاں نماز قصر کیا کرتے تھے۔

[2] کیوں کہ اس صورت میں ایک ہی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہوئی بلکہ دو جگہوں میں مثلاً منیٰ میں پانچ دن اور مکہ میں دس دن کی نیت ہوئی۔ اقامت کے لیے ضروری ہے کہ ایک ہی جگہ اتنی مدت ٹھہرنے کی نیت ہو۔ اس لیے یہ شخص مسافر ہی شمار ہو گا نہ کہ مقیم۔

فِعْلاً وَلَا يَجُوْزُ وَقْتًا وَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ

از رو سے وقت جائز نہیں [1] اور کشتی میں بیٹھ کر نماز

فِيْ سَفِيْنَةٍ قَاعِدًا عَلٰى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ

پڑھنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر حال میں

اَبِيْ حَنِيْفَةَ رح وَعِنْدَهُمَا لَا تَجُوْزُ اِلَّا بِعُذْرٍ

جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک بدوں عذر جائز [2] نہیں

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي

اور جس کی کوئی نماز سفر میں فوت ہو گئی تو اسے حضر (حالت اقامت)

الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي

بھی دو رکعت ہی قضا کرے [3] اور جس کی کوئی نماز حضر میں فوت ہو گئی تو

مشکل الفاظ: فِعْلاً: یعنی صورت کے لحاظ سے دونوں نمازیں اکٹھی نظر آئیں مگر دونوں اپنے اپنے وقت میں۔ سَفِيْنَةٌ: کشتی، بحری جہاز۔ بِعُذْرٍ: عذر کیا ہو۔ الْحَضَرِ: اقامت کی حالت۔ سفر کے برخلاف حالت۔

[1] وقتاً جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز (مثلاً عصر) کے وقت میں دو نمازوں کو (مثلاً ظہر اور عصر) کو پڑھا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں (ہاں حج کے دنوں میں جہاں خود شارع سے ثابت ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے) اور فعلاً جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز مثلاً ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور پھر عصر کو اس کے اوّل وقت میں ادا کیا جائے۔ یہ صورت البتہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس میں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوئی ہے گو بظاہر دیکھنے میں دونوں ایک ساتھ ہی پڑھی گئی ہیں۔ سفر میں یہ دوسری صورت یعنی فعلاً جمع کرنا جائز ہے اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف نہیں ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا "نماز یقینی طور پر ایمانداروں پر وقت کی پابندی سے فرض ہے"۔ اس آیت کے خلاف پہلی صورت ہے جس میں ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھا جاتا ہے پھر اگر ظہر اور عصر کو عصر کے وقت میں پڑھا تو ظہر قضاء سمجھی جائے گی اور عصر اپنے وقت پر ادا ہوگی لیکن اگر ان دونوں کو ظہر کے وقت میں پڑھا تو ظہر ادا ہو گئی کیونکہ وہ اپنے وقت پر پڑھی گئی لیکن عصر کا چونکہ ابھی وقت ہی نہیں آیا تھا لہذا وہ سرے سے ادا نہیں ہوئی۔ [2] کیوں کہ قیام (کھڑا ہونا) فرض ہے اور عذر کے بغیر اسے چھوڑنا اور قعود (بیٹھنے) سے بدلنا جائز نہیں۔ ([3]) کیونکہ قضاء بھی ادا کی مانند ہے اگر وہ سفر میں یہ نماز ادا کرتا تو دو رکعت ہی پڑھتا اس کے لیے اس کی قضاء بھی دو ہی رکعت ہو گی۔ ادا میں آخری وقت کا اعتبار ہے یعنی اس نماز کے آخری وقت میں وہ مسافر تھا یا مقیم اسی حیثیت سے اس کے ذمہ ادا لازم تھی اور اسی حیثیت سے قضاء بھی لازم ہو گی چونکہ اس نماز کا آخری وقت اسے حالتِ سفر میں آیا تھا (اور اس نے ادا نہ کی تھی) تو اب قضاء بھی

الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ اَرْبَعًا وَالْعَاصِيْ
سفر میں بھی چار رکعت ہی قضا کرے اور گناہ گار[1]

وَالْمُطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ
اور تابعدار سفر کی اس رخصت میں برابر ہیں

بَابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

صلوٰۃ الجمعہ کا باب

لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ فِيْ
نہیں درست جمعہ مگر شہر جامع[2] میں یا شہر کی

مشکل الفاظ: اَرْبَعًا: چار رکعت۔ اَلْعَاصِيْ: گنہگار۔ اَلْمُطِيْعُ: اطاعت کرنیوالا۔ (اطاعت مصدر سے اسم فاعل ہے) سَوَاءٌ: برابر ہیں۔ مِصْرٍ جَامِعٍ: بڑا شہر۔ بڑی آبادی۔

[1] نماز وغیرہ میں رعایت شریعت نے صرف سفر کی وجہ سے دی ہے اور محض سفر کوئی گناہ نہیں۔ گناہ وہ دوسری چیزیں ہیں جن کے لیے وہ اس سفر کو استعمال کر رہا ہے لہٰذا سفر چاہے کسی نیت سے ہو اس کے احکام اس نیت سے متاثر نہیں ہوں گے اور شریعت نے جو رخصتیں دی ہیں ان کا باعث سفر کو قرار دیا ہے اور یہ کہیں نہیں کہا کہ سفر اگر کسی بُری غرض سے ہو تو وہ سفر ہی نہیں رہے گا یا مسافر سے فلاں فلاں رخصتیں چھن جائیں گی یہ تو حنفیہ کا مسلک ہے اور امام شافعیؒ سفر میں یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر مسافر کی نیت کسی گناہ کی نہ ہو تو اسے سفر میں قصر وغیرہ کی رعایت حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

[2] بڑا گاؤں (یعنی قصبہ) جس میں بازار اور گلی کوچے ہوں اور باشندوں کی تمام ضروریات وہاں ملتی ہوں وہ بھی شہر کے حکم میں ہے، اور وہاں جمعہ بالاتفاق جائز ہے۔ شامی جلد اول ۵۳۷ میں ہے: تَقَعُ فَرْضًا فِي الْقَصَبَاتِ وَالْقُرَى الْكَبِيْرَةِ الَّتِيْ فِيْهَا اَسْوَاقٌ: جن قصبوں اور بڑے گاؤں میں بازار ہوں وہاں جمعہ فرض ادا ہو جاتا ہے"۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر کی تعریف یہ ہے: بَلْدَةٌ فِيْهَا سِكَكٌ وَاَسْوَاقٌ وَوَالٍ يُنْصِفُ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الظَّالِمِ۔ "مصر وہ آبادی ہے جس میں کوچے اور بازار ہوں اور ایسا حاکم موجود ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے" امام ابویوسفؒ کے نزدیک مصر کی تعریف یہ ہے کہ اگر اس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے باشندے جمع ہو جائیں تو سما نہ

سکیں۔ علامہ بلخیؒ نے اسی تعریف کو اختیار کیا ہے اور اکثر حنفی بزرگوں اور سب متأخرین کا فتویٰ اسی پر ہے۔ حضرت مولانا السید محمد انور شاہؒ نے فرمایا ہے کہ مصر کی تعریف میں حنفیہ کے اماموں سے جس قدر روایات منقول ہیں۔ ان کا معنی ایک ہی ہے صرف طرزِ بیان میں لفظی اختلاف نظر آتا ہے۔ "ظاہر الروایہ" میں قاضی کی شرط مصر کی تعریف میں اس لئے لگائی گئی ہے کہ قاضی کا مرکز عدالت مصر ہی ہوتا ہے۔

متأخرین نے مصر کی تعریف میں "سب سے بڑی مسجد" کی جو قید لگائی ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ وہ ایسی آبادی ہے جہاں بہت سی مسجدیں ہوں اور کئی مسجدوں کا ہونا بہت سے مکانات کو ظاہر کرتا ہے اور یہ صورت بڑی آبادی میں ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ عنایہ میں "سب سے بڑی مسجد" کی تشریح کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس آبادی میں مکلفین (جن پر نماز فرض ہے) اتنی تعداد میں ہوں کہ سب سے بڑی مسجد میں ———— بھی نہ سما سکیں۔ اس سے اس کی آبادی کی کثرت مراد ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مصر کی تعریف لغت اور عرفِ عام پر مبنی ہے اور یہ جس قدر تعریفیں کی گئی ہیں سب اپنے اپنے عرف اور زمانہ کے لحاظ سے صحیح ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَا تَجُوْزُ فِي الْقُرٰى وَلَا تَجُوْزُ إِقَامَتُهَا
عید گاہ میں اور نہیں جائز دیہات میں اور نہیں جائز

إِلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا
اس کا قائم کرنا مگر سلطان کو یا اسے جسے سلطان نے حکم دیا اور اس کی شرائط

مشکل الفاظ: مُصَلّٰی: جائے نماز یہاں مراد عید گاہ ہے۔ اَلْقُریٰ: قریہ کی جمع۔ دیہات۔ سُلطان: حاکم شرائط: شریطہ کی جمع۔ شرطیں۔

لہ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد مذکور ہے: کَانَ النَّاسُ یَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَۃَ مِنْ مَنَازِلِھِمْ وَالْعَوَالِیْ۔ "حضور کے وقت میں لوگ اپنے گھروں اپنی آبادیوں اور بستیوں سے باری باری جمعہ پڑھنے آیا کرتے تھے"۔ نماز جمعہ کے لیے اتنی دور سے آنا اور پیچھے رہ جانے والوں کا جمعہ ادا نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ دیہات میں جمعہ فرض نہیں ورنہ ہر بستی میں جمعہ ادا کیا جاتا۔ آثار السنن ص۷۹ جلد ۲ میں حضرت حذیفہ کا ارشاد ہے: لَیْسَ عَلٰی اَھْلِ الْقُرٰی جُمُعَۃٌ إِنَّمَا الْجُمُعَۃُ عَلٰی اَھْلِ الْاَمْصَارِ (ابن ابی شیبہ) "گاؤں والوں پر جمعہ نہیں جمعہ تو صرف شہروں والوں پر ہے"۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن نے فرمایا وَذَرُوا الْبَیْعَ "خرید و فروخت چھوڑ دو" اور اس آیت پر عمل وہی ہو سکتا ہے جہاں بیع و شرا ہوتی ہو اور ظاہر ہے وہ صرف شہروں ہی میں ہوتی ہے حضرت علی المرتضیٰ کا ارشاد زیلعی جلد ۲ ص۱۹۵ پر منقول ہے: لَا تَشْرِیْقَ وَلَا جُمُعَۃَ إِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ "بڑے شہر کے سوا تکبیر تشریق اور جمعہ جائز نہیں ہے" اس حدیث کی روایت صحیح ہے۔ درایۃ ص۱۳۱، عینی شرح بخاری جلد ۳ ص۲۶۴۔ مبسوط میں امام خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے اس روایت کو آنحضرت تک مرفوع کرتے ہوئے لکھوایا تھا (عینی شرح ہدایہ جلد ا ص۹۸۲) امام ابو بکر جصاص رازی نے اسے مرفوع اور موقوف دونوں طرح بیان کیا ہے (احکام القرآن جلد ۳ ص۴۴۵)

لہ شرح منیہ ص۵۱۲ میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری اور دس اور صحابہ ربذہ نامی چھاؤنی میں حضرت عثمان کی طرف سے مقرر شدہ ایک حبشی غلام کے پیچھے جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ دراصل جمعہ کی اقامت امیر یا اس کے نائب کا کام ہے کوئی دوسرا اس پر مامور نہیں یہ ان شرعی فرائض میں سے ہے جن کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر ڈالی گئی ہے ہاں اگر کفار کے غلبہ کی وجہ سے والی موجود نہ ہو کر اہل اسلام کے ذمہ لازم ہے کہ خود مل کر کسی کو اپنا امام بنا لیں تاکہ جمعہ و عیدین کی نماز ادا کر سکیں (درمختار کتاب الحظر والاباحۃ) اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسلم والی موجود نہ ہو تو اقامت جمعہ کا خود اہتمام کرنا چاہیے نہ یہ کہ ظہر پڑھ لیں۔ اس طرح کا مقرر شدہ امام سلطان کا قائم مقام سمجھا جائیگا بشرطیکہ کفار اس سلسلے میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ
بس سے ہے وقت کا ہونا پس (جمعہ) صحیح ہوتا ہے ظہر کے وقت میں[1] اور اس کے

بَعْدَهُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ
بعد صحیح نہیں اور اس کی شرطوں میں سے (دوسری شرط) خطبہ ہے نماز

الصَّلٰوةِ يَخْطُبُ الْإِمَامُ خُطْبَتَيْنِ
سے پہلے۔ امام دو خطبے پڑھے[2]

يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى
(اور) دونوں کو جدا کرے ایک قعدہ[3] کے ساتھ اور خطبہ باطہارت

الطَّهَارَةِ فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى
کھڑے ہوکر پڑھے پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر

مشکل الفاظ: فَتَصِحُّ: پس وہ صحیح ہوتا ہے۔ يَخْطُبُ: خطبہ دے، خطبہ پڑھے۔ خُطْبَتَيْنِ: خطبہ کی تثنیہ۔ يَفْصِلُ: جدائی کرے (فصل مصدر)۔ عَلَى الطَّهَارَةِ: پاکیزگی پر (یعنی پاک صاف ہوکر)۔ اِقْتَصَرَ: اکتفا کی، کافی سمجھا (اختصار مصدر)

[1] حضرت انسؓ کا ارشاد ہے: كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ (بخاری جلد ا ص۱۲۳) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھل جانے پر جمعہ پڑھا کرتے تھے"۔ امام نوویؒ شرح مسلم جلد ا ص۲۸۳ بھی فرماتے ہیں کہ: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور صحابہؓ و تابعین کے جمہور علماء کا فیصلہ یہی ہے لَا تَجُوْزُ الْجُمُعَةُ إِلَّا بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ۔ یعنی جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے جائز نہیں ہوتا۔"

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ یہی تھا۔ حضرت جابرؓ سے مسلم جلد ا ص۲۸۳ میں روایت ہے: كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا "حضور اکرمؐ کھڑے ہوکر خطبہ دیتے۔ پھر بیٹھ جاتے پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے تھے" اس کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے لہٰذا اس کے دو حصے کر دیئے گئے تاکہ دونوں الگ الگ ایک ایک رکعت کے قائم مقام ہو سکیں۔ [3] خطبہ جمعہ ذکر ہے جیسا کہ سورہ جمعہ میں فرمایا ہے: فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ "سو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑتے چلے آؤ" اور نماز کی حقیقت بھی ذکر ہی ہے جیسے کہ فرمایا: أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ "نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کر" یہی وجہ ہے کہ نماز کے مطالب اگر نہ بھی معلوم ہوں تب بھی ادا ہو جاتی ہے اور شرعاً معتبر ہے اگر خطبہ لوگوں کو سمجھ میں نہ بھی آئے تب بھی ذکر ادا ہو جاتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ خطبہ جمعہ ذکر ہے تذکیر نہیں ہے اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ذکر اللہ پر اگر اکتفا کی تو خطبہ ادا ہو گیا۔

جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا لَا بُدَّ مِنْ ذِکْرٍ طَوِیْلٍ
(تو) جائز ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ ذکر طویل ضروری

یُسَمّٰی خُطْبَةً فِی الْعَادَةِ فَاِنْ خَطَبَ قَاعِدًا اَوْ
ہے جس کا نام عادۃً خطبہ رکھا جا سکے اور اگر خطبہ بیٹھ کر دیا یا بغیر

عَلٰی غَیْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَیُکْرَهُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ
وضو کے تو ادا ہو جائے گا (لیکن) مکروہ ہوگا اور اس کی شرائط میں سے (تیسری شرط) جماعت کا ہونا ہے۔

وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ ثَلٰثَةٌ سِوَی الْاِمَامِ وَقَالَا
اور ان کی (جماعت کی) کم از کم مقدار امام صاحبؒ کے نزدیک تین (مقتدی) ہیں امام کے سوا اور صاحبین

اِثْنَانِ سِوَی الْاِمَامِ وَیَجْهَرُ الْاِمَامُ بِقِرَاءَتِهٖ
نے کہا کہ امام کے سوا دو (مقتدی کافی) ہیں اور امام جہر کرے دونوں رکعتوں کی قرأت

مشکل الفاظ: جَازَ: جائز ہوا۔ لَابُدَّ: چارہ نہیں ضروری ہے۔ طَوِیْلٍ: لمبا۔ اَقَلُّهُمْ: ان میں سے کم از کم۔ سِوٰی: سوائے۔ اِثْنَانِ: دو۔ یَجْهَرُ: بآواز بلند پڑھے۔

لہ کیونکہ جماعت کا مفہوم تو لفظ جمعہ ہی میں موجود ہے۔ ابوداؤد جلد ۱ ص۴۱۲ مع شرح عون المعبود میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَةٍ" جمعہ ہر مسلم پر ایک واجبی فریضہ ہے جماعت سمیت" علامہ عینیؒ نے شرح بخاری جلد ۳ ص۲۳۳ میں فرمایا ہے: "اَلْجَمَاعَةُ مِنْ شَرَائِطِ الْجُمُعَةِ لِاَنَّهَا مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا وَاَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰی اَنَّ الْجُمُعَةَ لَا تَصِحُّ مِنَ الْمُنْفَرِدِ" جماعت نماز جمعہ کی شرطوں میں سے ہے کیوں کہ جمعہ کا لفظ نکلا ہی جماعت سے ہے اور ساری اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اکیلے آدمی کا جمعہ درست نہیں ہے۔" البدائع جلد ۱ ص۲۶۸ میں ہے: "اِنَّ هٰذِهٖ تُسَمّٰی جُمُعَةً فَلَا بُدَّ مِنْ لُزُوْمِ مَعْنَی الْجَمَاعَةِ فِیْهَا۔" اس نماز کا نام جمعہ رکھا گیا ہے پس جماعت کے معنی کو اس میں لازم سمجھے بغیر چارہ نہیں ہے" جس آبادی میں جمعہ فرض ہے وہاں امام کے سوا کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا قیام جمعہ کے لیے ضروری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اس لیے اتنے افراد کا ہونا ضروری ہے جن پر خطیب کے سوا یہ صیغہ بولا جا سکے اور ان کی کم از کم تعداد تین ہے۔

فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ فِيهِمَا قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا

میں اور نہیں ان دونوں میں قرأت کسی معین سورت کی۔

وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَأَةٍ

اور جمعہ واجب نہیں ہوتا مسافر پر اور نہ عورت پر

وَلَا مَرِيضٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَبْدٍ وَلَا أَعْمَى فَإِنْ

اور نہ مریض پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر لیکن

حَضَرُوا وَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ أَجْزَأَهُمْ عَنْ

اگر یہ لوگ (جمعہ پر) حاضر ہو جائیں اور لوگوں کیساتھ (مل کر جمعہ) پڑھ لیں تو کافی ہے

فَرْضِ الْوَقْتِ وَيَجُوزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ

انہیں فرض وقت کے عوض غلام اور مسافر اور مریض کے لیے

مشکل الفاظ: بِعَيْنِهَا: وہی۔ معین امْرَأَةٌ: عورت (جمع نساءٌ)
مَرِيضٌ: بیمار صَبِيٌّ: بچہ (جمع صبیانٌ) عَبْدٌ: غلام (عباد۔ عبید) جمع اَعْمٰی: اندھا۔
حَضَرُوا: حاضر ہوئے۔

۱؎ کیونکہ یہ تعین احکام شرع سے ثابت نہیں اور جس نیکی کو شریعت نے کسی ایک وقت یا موقع محل کے ساتھ خاص نہ کر دیا ہو اس میں ضابطے کے طور پر یہ پابندیاں خود بڑھالینا التزام مالایلزم کہلاتا ہے، جسے دوسرے لفظوں میں بدعت رکھتے ہیں۔ ۲؎ غلام، عورت، بچے اور مریض کا جمعہ سے مستثنیٰ ہونا سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ میں طارق بن شہاب کی مرفوع حدیث میں منقول ہے۔ اندھا بھی مریض کے حکم میں داخل ہے اور جو بوڑھا نہایت کمزور ہو وہ بھی اسی کے حکم میں داخل ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ مسافر کا استثناء امام محمدؒ نے کتاب الآثار صفحہ ۳۵ میں حسن سند کے ساتھ مرسل طریق سے روایت کیا ہے۔ علامہ شعرانیؒ نے رحمۃ الامۃ میں لکھا ہے کہ "ولا تلزم مسافرًا بالاتفاق۔ مسافر پر جمعہ بالاتفاق فرض نہیں ہے۔ ۳؎ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مکہ میں مقیم کے طور پر نہیں ٹھہرے اس لیے مسافر ہونے کی وجہ سے وہاں آپ پر جمعہ فرض نہ تھا لیکن آپ نے وہاں جمعہ پڑھا۔ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ میں طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حطیم کے سائے میں جمعہ پڑھتے دیکھا" یہ مسافروں کا جمعہ تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسافر نماز جمعہ میں امامت بھی کرا سکتا ہے لیکن یہ صورت وہیں ہے جہاں پہلے سے جمعہ قائم ہو اور اس کے لیے

لوگ موجود ہوں جن پر جمعہ فرض ہے پھر وہاں وہ لوگ بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ لیکن جہاں سرے سے ہے ہی نہیں مثلاً چھوٹے دیہات اور جنگل وغیرہ وہاں پر مستثنیٰ لوگ تو رہے درکنار دوسرے لوگ بھی جمعہ نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ وہاں جمعہ سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

ضمیمہ : جمعہ کے واجب ہونے کی بارہ شرطیں ہیں چھ نمازی کے متعلق اور چھ دوسری ہیں پہلی چھ شرائطِ وجوب اور دوسری چھ شرائطِ اداء کہلاتی ہیں۔ شرائطِ وجوب یہ ہیں (۱) آزاد ہونا (۲) مرد ہونا (۳) مقیم ہونا (۴) تندرست ہونا (۵) بالغ ہونا (۶) پاؤں اور آنکھوں کا سلامت ہونا۔ شرائطِ اداء یہ ہیں : (۱) شہر ہونا (۲) سلطان یا اُس کے نائب کی موجودگی (۳) جمعہ کا وقت ہونا (۴) جماعت (۵) خطبہ (۶) اذنِ عام (نوٹ : قید خانے میں جمعہ اس لیئے نہیں کہ اذنِ عام نہیں ہوتا۔

وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ وَمَنْ صَلّٰى

(یہ بھی) جائز ہے کہ وہ نماز جمعہ کی امامت کرادیں اور جس نے

الظُّهْرَ فِيْ مَنْزِلِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ

ظہر کی نماز پڑھ لی اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز

الْاِمَامِ وَلَا عُذْرَ لَهٗ كُرِهَ ذٰلِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهٗ

(جمعہ) سے پہلے اور اسے کوئی عذر بھی نہ ہو تو اس کے لیے یہ مکروہ ہے اور نماز اس کی ہو

فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ

جائے گی پھر اگر اسے خیال آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو پس چلا اس

اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رح

کی (جمعہ کی) طرف اور امام نماز جمعہ میں تھا تو اس کی ظہر (صرف)

بِالسَّعْيِ اِلَيْهَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رح وَمُحَمَّدٌ رح

چلنے سے ہی امام صاحب کے نزدیک باطل ہوگئی اور صاحبین نے کہا کہ (اس کی) ظہر اس

مُشکل الفاظ: اَنْ يَّؤُمُّوْا: کہ وہ امام بنیں۔ امامت کریں۔ مَنْزِل: گھر
بَدَا: خیال آیا۔ فَتَوَجَّهَ: سو وہ چل پڑا۔ متوجہ ہوا بِالسَّعْيِ: بوجہ سعی (کوشش) کے۔

لَا تَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ وَ

وقت تک باطل نہیں جب تک کہ وہ امام کے ساتھ شامل نہ ہو جائے اور

يُكْرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ الْمَعْذُوْرُ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ

معذوروں کے لیے مکروہ ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں

يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ كَذٰلِكَ اَهْلُ السِّجْنِ

اور اسی طرح قیدی لوگ بھی (جمعہ کے دن ظہر جماعت سے نہ پڑھیں)

وَمَنْ اَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهٗ

اور جو شخص امام کو پائے جمعہ کے موقع پر تو اس کے ساتھ پڑھے جتنی نماز اس

مَا اَدْرَكَ وَبَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ

نے پائی اور بناء کرے اس پر (باقی نماز) جمعہ اگرچہ اس نے پایا (امام کو)

مشکل الفاظ : لَاتَبْطُلُ : باطل نہیں ہوتی۔ مَعَ : ساتھ۔ اَلْمَعْذُوْرُ : عذر والا
كَذٰلِكَ : یوں ہی۔ اهل السِّجْن : جیل والے۔ قیدی اَدْرَكَ : پایا (ادراک مصدر)

لہ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ میں ہے کہ اِنَّ اَدَاءَ الظُّهْرِ بِجَمَاعَةٍ مَكْرُوْهٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مُطْلَقًا "جمعہ کے دن نمازِ ظہر کو جماعت سے پڑھنا بالکل مکروہ ہے" لیکن یہ حکم وہاں کے لیے ہے جہاں فرض ہے یعنی شہروں کے لیے۔ کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۶۳ میں ہے، لَا يَجْمَعُ الْقَوْمُ الظُّهْرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ مَوْضِعٍ يَجِبُ عَلَيْهِمْ فِيْهِ شُهُوْدُ الْجُمُعَةِ "جس جگہ لوگوں پر جمعہ کی حاضری فرض ہے وہاں جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت نہ پڑھیں۔ علامہ شعرانی رحمۃ الامۃ صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں : اِتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّهٗ اِذَا فَاتَتْهُمْ صَلٰوةُ الْجُمُعَةِ صَلُّوْا ظُهْرًا وَهَلْ يُصَلُّوْنَ فُرَادٰى اَوْ جَمَاعَةً قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ فُرَادٰى۔ "اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز جمعہ فوت ہو جانے کی صورت میں نمازِ ظہر پڑھیں اختلاف صرف اس میں ہے کہ اکیلے اکیلے پڑھیں یا با جماعت۔ سو اس کے متعلق ابو حنیفہ اور مالک فرماتے ہیں کہ اکیلے اکیلے پڑھیں"۔

لہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۸ میں آنحضور کا ارشاد ہے : اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ وَلَا تُسْرِعُوْا فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ "جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف سکون اور وقار سے چل کر جاؤ اور جلدی مت کرو۔ پھر جتنی نماز تم نے پالی اُسے تو پڑھ لو اور جتنی فوت ہو گئی اُسے بعد میں پورا کر لو"۔ اتمام (پورا کرنا) اسی چیز کا ہوتا ہے جو پہلے شروع کی ہو۔ پس امام قدوری نے جو صورت لکھی

ہے اس میں جو نماز شروع کی تھی وُہ جمعہ کی نماز تھی لہذا اُسی کو پورا کیا جائیگا۔ الجوہر النقی جلد ا صفحہ ۲۳۴ میں ہے اَلْإِتْمَامُ إِنَّمَا يَكُوْنُ لِمَا تَقَدَّمَ وَمَا تَقَدَّمَ جُمُعَةٌ۔ " اتمام اس چیز کا ہوتا ہے جو شروع ہوا اور یہاں جو شروع تھی وُہ نمازِ جمعہ تھی پس اُسی کو پورا کیا جائیگا۔ اس مسئلہ میں حنفی فقہ کا فتویٰ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ الجوہر النقی جلد ا صفحہ ۲۳۴ میں عبداللہ بن مسعود ایک ضابطہ کے طور پر فرماتے ہیں: مَنْ أَدْرَكَ التَّشَهُّدَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ " جس نے تشہد پالیا اُسے وُہ نماز مل گئی" یعنی وُہ نماز جس کا تشہد اس نے پایا اور ظاہر ہے کہ اُوپر والے مسئلہ میں وہ نماز جس کا تشہد ملا ہے نمازِ جمعہ ہے لہذا اسی کو مکمل کیا جائیگا۔

فِي التَّشَهُّدِ اَوْ فِي سُجُوْدِ السَّهْوِ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ

پایا ہو تشہد میں یا سجود سہو میں اسی پر وہ جمعہ (نماز کی) بناء کرے

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رح وَاَبِيْ يُوْسُفَ رح وَقَالَ مُحَمَّدٌ رح

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کہتے ہیں

اِنْ اَدْرَكَ مَعَهٗ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ

کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا بیشتر حصہ پا لیا تو وہ اس پر جمعہ کی

وَاِنْ اَدْرَكَ مَعَهٗ اَقَلَّهَا بَنٰى عَلَيْهَا الظُّهْرَ وَاِذَا خَرَجَ

بنا کرے اور اگر اس نے پایا ہو امام کے ساتھ اس کا (دوسری رکعت کا) حصہ) تو وہ اس پر نماز ظہر کی بنا کرے اور

الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ

جب امام جمعہ کے (خطبہ کے لیے)[1] نکلے تو لوگ نماز اور کلام ترک کر دیں[2]

حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ وَقَالَا لَا بَاْسَ بِاَنْ يَتَكَلَّمَ

یہاں تک کہ وہ خطبے سے فارغ ہو جائے اور صاحبین کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ (مفتد ی)

مشکل الفاظ: اَقَلَّهَا: اس کا کمتر حصہ تھوڑا حصہ۔ حَتّٰى يَفْرُغَ: جب تک کہ فارغ ہو جائے (فراغۃ مصدر) لَا بَاْسَ: حرج نہیں۔ يَتَكَلَّمَ: کلام کرے، بات چیت کرے (تکلّم مصدر)

[1] نماز سے مراد سنت ہے اور امام کے نکلنے سے مراد اپنی جگہ سے منبر پر آجانا ہے، پس اس وقت جمعہ کی سنت، تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء کے نفل وغیرہ جائز نہیں۔ ہاں پچھلی قضاء نماز اگر پڑھ لی جائے تو ممنوع نہیں۔

[2] حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت تم اگر کسی دوسرے شخص سے کہو "چپ رہو" تو یہ بھی لغو (ناجائز) حرکت ہے۔ یعنی خطبہ کے وقت کامل خاموشی ہونی چاہیے۔ زیلعی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں ہے کہ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ بَعْدَ خُرُوْجِ الْاِمَامِ۔ "حضرت علیؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ امام کے خطبے کے لیے آنے کے بعد نماز اور بات چیت کو ناجائز سمجھتے تھے"۔ ایسا ہی عینی شرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۲ میں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ موطا امام محمد صفحہ ۱۳۵ میں امام زہریؒ کا قول درج ہے: خُرُوْجُهٗ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَكَلَامُهٗ يَقْطَعُ الْكَلَامَ۔ "امام کا باہر آجانا نماز کو اور اس کا خطبہ شروع کر دینا بات چیت کو ختم کر دیتا ہے"۔

مَالَمْ يَبْدَأْ بِالْخُطْبَةِ وَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ
کلام کرے جب تک کہ اس نے (امام نے) خطبہ شروع نہ کیا ہو اور جب موذن جمعہ کے

الْجُمُعَةِ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ
دن پہلی اذان کے تو لوگ چھوڑ دیں بیع و شراء

وَتَوَجَّهُوْا إِلَى الْجُمُعَةِ فَإِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ
اور چل پڑیں جمعہ کی طرف پس جب امام منبر پر چڑھے

جَلَسَ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ يَخْطُبُ
تو بیٹھ جائے اور موذن منبر کے سامنے (پھر دوسری) اذان کہے پھر امام خطبہ

مشکل الفاظ: يَبْدَأْ: شروع کرے۔ اَذَّنَ: اذان دی (اَلْمُؤَذِّنُ اسم فاعل تاذین مصدر) اَلْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ: خرید و فروخت۔ تَوَجَّهُوْا: متوجہ ہوئے، چل پڑے۔ صَعِدَ: چڑھا، بلند ہوا۔ بَيْنَ يَدَيْ: سامنے۔ يَخْطُبُ: خطبہ دے۔

۱؎ امام طحاویؒ کے نزدیک کاروبار چھوڑنے کا حکم دوسری اذان سے متعلق ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم پہلی اذان سے متعلق ہے جیسا کہ امام قدوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔

۲؎ جمعہ کی پہلی اذان حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کہی گئی اور صحابہؓ نے اس پر اجماع کر لیا۔ جب تک یہ اذان نہ ہوتی تھی دوسری اذان مسجد کے دروازے کے قریب کہی جاتی تھی لیکن جب اطلاع و اعلام کا مقصد پہلی اذان سے حاصل ہونے لگا تو دوسری اذان مسجد میں منبر کے سامنے ہونے لگی، عنایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸ میں ہے کہ امام طحاویؒ نے اس اذان کے لیے اَذَانٌ عِنْدَ الْمِنْبَرِ بَعْدَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ "یعنی وہ اذان جو امام کے برآمد ہونے کے بعد منبر کے پاس دی جاتی ہے" کے الفاظ لکھے ہیں۔ جامع الرموز جلد ۱ صفحہ ۱۸ میں ہے کہ اَذَّنَ اَذَانًا ثَانِيًا بَيْنَ يَدَيْهِ قَرِيْبًا مِنْهُ "دوسری اذان منبر کے سامنے اس کے قریب ہی کہے"۔

نوٹ: فقہائے حنفیہ میں اس باب میں اختلاف ہوا ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان کے وقت کامل خاموشی اختیار کی جائے یا موذن کے ساتھ ساتھ حسبِ معمول اذان کا جواب دیا جائے۔ علامہ طحطاویؒ کے نزدیک جواب اذان جائز ہے اور کلام کی ممانعت دنیوی گفتگو کے متعلق ہے (طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۱۸۵) لیکن درمختار جلد ۱ صفحہ ۲۹۴ (مع شامی) میں مطلقاً کلام کرنے کو ہی ناجائز کہا گیا ہے: يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يُجِيْبَ بِلِسَانِهٖ اِتِّفَاقًا فِي الْاَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيْبِ "اور بالاتفاق مناسب یہی ہے کہ خطیب کے سامنے اذان کا جواب زبان سے نہ دے"۔ ایسا ہی البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ کے حاشیہ شامی میں بھی لکھا ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس اذان کے وقت خاموشی اختیار کی جائے۔

الْإِمَامُ وَإِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهِ قَامُوْا وَصَلَّوُا الصَّلٰوةَ

ئے پھر، جب وہ اپنے خطبے سے فارغ ہو تو لوگ کھڑے ہوں اور نماز ادا کریں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

نمازِ عیدین کا باب

يُسْتَحَبُّ يَوْمَ الْفِطْرِ اَنْ يَطْعَمَ الْإِنْسَانُ شَيْئًا قَبْلَ

مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ انسان کچھ کھا لے[1] عیدگاہ

الْخُرُوْجِ اِلَى الْمُصَلّٰى وَيَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ اَحْسَنَ

کی طرف نکلنے سے پہلے اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور پہنے اپنے

ثِيَابِهٖ وَيُخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى

اچھے کپڑے[2] اور نکالے صدقۃ الفطر اور پھر عیدگاہ کا رُخ کرے۔

مشکل الفاظ: فَرَغَ: فارغ ہوا (فراغ مصدر) قَامُوْا: کھڑے ہوئے (قیام مصدر) عِیْدَیْن: عید کی تثنیہ۔ يُسْتَحَبُّ: مستحب ہے۔ اچھا ہے۔ پسندیدہ ہے (استحباب مصدر) يَوْمَ الْفِطْرِ: عید الفطر کے دن۔ يَطْعَمُ: کھائے۔ قَبْلَ: پہلے يَغْتَسِلَ: غسل کرے يَتَطَيَّبُ: خوشبو لگائے۔ يلبس: پہنے اَحْسَنَ: خوبصورت ترین ثِيَاب: ثوب کی جمع۔ يُخْرِجَ: نکالے (اخراج مصدر)

[1] دارقطنی جلد ا صفحہ ۱۸۰ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرزِ عمل اس باب میں یہ تھا: كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَكَانَ لَا يَاْكُلُ شَيْئًا يَوْمَ النَّحْرِ حَتّٰى يَرْجِعَ: "حضور عید الفطر میں نماز کے لیے کچھ کھا کر نکلتے اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر ہی کچھ کھاتے"۔ یہ سنت مستحبات میں سے ہے۔ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۷۲ میں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت کے مطابق ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ کھا لیا تو حضور نے ان کے اس کھانے پر کچھ نہیں فرمایا ہاں یہ فرمایا: اِنَّ الَّتِيْ ذَبَحْتَهَا لَا تُجْزِئُ عَنِ الْاُضْحِيَةِ۔ "جس نے نماز سے قبل جو جانور ذبح کر لیا ہے اُس سے قربانی ادا نہیں ہوئی" اس سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانے کا حکم محض مستحب ہے۔

[2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ میں بیہقی کے حوالہ سے یہ صحیح حدیث درج ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَلْبَسُ اَحْسَنَ ثِيَابِهٖ فِي الْعِيْدَيْنِ۔ "حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ دونوں عیدوں میں اپنے بہترین کپڑے پہنا کرتے تھے"۔

الْمُصَلّٰى وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ

اور نہ کہے تکبیر عیدگاہ کے رستے میں حضرت

أَبِي حَنِيفَةَ رح وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا وَلَا

امام کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے[۱] اور نہ پڑھے

يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيدِ.

نفل (کسی قسم کے) عیدگاہ میں نماز سے پہلے

فَإِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ

جب سورج بلند ہونے سے نماز کا وقت ہوتا ہے تو اس (نماز) کا وقت داخل

مشکل الفاظ: وَلَا يُكَبِّرُ: تکبیر نہ کہے۔ لَا يَتَنَفَّلُ: نفل نہ پڑھے۔ حَلَّتْ: حلال (جائز) ہو جائے۔ اِرْتِفَاع: بلند ہوا، چڑھ آنا۔ اَلشَّمْس: سورج

۱؎ حضرت ابن عباسؓ کا قول مجمع الزوائد جلد ۱ صـ۲۲۱ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا سنت یہی ہے کہ عید الفطر کی نماز کے لیے باہر جانے سے قبل ہی صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔

۲؎ بغیر عذر کے مسجدوں میں عید کی نماز پڑھنا خلافِ سنت ہے، ہاں مسجد الحرام میں عید بھی جائز ہے کیونکہ وہ ہر قسم کی عبادات کی جگہ ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ فتح القدیر جلد ۲ صـ۴۱ میں فرماتے ہیں: اَلسُّنَّةُ اَنْ يَّخْرُجَ الْاِمَامُ اِلَى الْجَبَّانَةِ وَيَسْتَخْلِفُ مَنْ يُّصَلِّيْ بِالضُّعَفَاءِ فِي الْمِصْرِ: سنت یہ ہے کہ امام نمازِ عید کے لیے جنگل کو نکلے اور شہر میں کمزور لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے کسی کو اپنا نائب بنا کر چھوڑ جائے۔ ۳؎ صرف تکبیر تو سنت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں یہاں اختلاف صرف بلند آواز سے یا آہستہ کہنے میں ہے۔ شامی جلد ۱ صـ۸۴۲ میں ہے: عَنِ الْاِمَامِ رِوَايَتَانِ اِحْدَاهُمَا اَنَّهُ يُسِرُّ وَالثَّانِيَةُ اَنَّهُ يَجْهَرُ كَقَوْلِهِمَا قَالَ وَهِيَ الصَّحِيْحُ عَلٰى مَا قَالَ الرَّازِيُّ۔ "امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں، پہلی یہ کہ تکبیر آہستہ کہے اور دوسری یہ کہ باآوازِ بلند کہے جیسا کہ صاحبین کا قول ہے۔ شامیؒ کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کہ امام جصاص رازیؒ نے فرمایا ہے" دار قطنی صـ۱۸۰ اور بیہقی جلد ۳ صـ۲۷۹ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا عمل یوں لکھا ہے جس سے صاحبین اور امام طحاویؒ کی تائید ہوتی ہے: اِذَا غَدَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى يَجْهَرُ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمُصَلّٰى۔ حضرت ابن عمرؓ جب عیدوں کی نماز کے لیے نکلتے تو عیدگاہ تک پہنچتے ہوئے راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے۔" امام ابو حنیفہؒ سے جو آہستہ تکبیر کی روایت ہے، وہ عبد اللہ بن عباس کے اس قول سے لی گئی ہے جسے ابن المنذر نے (حلبی شرح منیہ صـ۵۲۵) روایت کیا ہے: اِذْ كُنَّا مِثْلَ هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ النَّبِيِّ باقی صفحہ ۱۲۷ پر

وَقْتُهَا اِلَى الزَّوَالِ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ

ہوتا ہے زوال تک پس جب سورج ڈھل جائے (تو) اس کا وقت نکل

وَقْتُهَا وَيُصَلِّي الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

جاتا ہے اور امام لوگوں کو (عید کی) دو رکعت پڑھائے پہلی (رکعت)

يُكَبِّرُ فِي الْاُوْلٰى تَكْبِيْرَةَ الْاِحْرَامِ وَثَلٰثًا

میں تکبیر تحریمہ کے طور پر اللہ اکبر کہے اور اس کے

بَعْدَهَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ

بعد تین دفعہ تکبیر کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے

وَسُوْرَةً مَعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً

ساتھ کوئی اور سورۃ پھر اللہ اکبر سے (وہ) تکبیر کہے کہ اس

يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ يَبْتَدِئُ فِي الرَّكْعَةِ

کے ساتھ رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں

الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ فَاِذَا فَرَغَ مِنَ

قرأت شروع کرے پھر جب قرأت سے فارغ

الْقِرَاءَةِ كَبَّرَ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ وَكَبَّرَ

ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور اللہ اکبر

مشکل الفاظ ؛ زَالَتِ : ڈھل گیا زائل ہوا تَكْبِيْرَةَ الْاِحْرَامِ : پہلی تکبیر، تکبیر تحریمہ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ : سورۃ الحمد۔ يَرْكَعُ : رکوع کرے يَبْتَدِئُ : شروع کرے۔ ثَلٰثَ : تین

بقیہ: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَ اَحَدُهُمْ يُكَبِّرُ قَبْلَ الْاِمَامِ. عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ہم نے یہ دن (عید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا لیکن کوئی بھی امام سے پہلے (یعنی اس کے خطبے سے قبل) تکبیر نہ کہتا تھا لیکن یہ جہر و خفا کا اختلاف امام اور صاحبین میں عید الفطر کے متعلق ہے۔ عید الاضحیٰ کی تکبیریں بالاتفاق باآواز بلند کہی جائیں گی۔ حلبی میں ہے۔ تُسْتَحَبُّ التَّكْبِيْرُ جَهْرًا فِيْ طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى يَوْمَ الْاَضْحٰى اِتِّفَاقًا لِلْاِجْمَاعِ۔ "قربانی کی عید کے دن عید گاہ کے راستے میں بالاتفاق بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے" شامی جلد اول میں ہے۔ يُكَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا۔ سب کے نزدیک باآواز بلند تکبیر کہے۔ ۳ ابن ماجہ ص۹۴ میں ہے لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا عید سے پہلے کچھ نہ پڑھے۔

تَكْبِيْرَةً رَّابِعَةً يَّرْكَعُ بِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ
کے چوتھی تکبیر کا جس سے وہ رکوع کیا کرے اور عیدین کی تکبیروں

فِیْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ
میں رفع یدین کرتا رہے پھر خطبہ دے نماز کے بعد

مشکل الفاظ : رَابِعَةً : چوتھی۔ تَكْبِيْرَاتِ : تکبیرہ کی جمع، تکبیریں۔ يَخْطُبُ : خطبہ دے۔

لہ نمازِ عید میں کل چھ زائد تکبیریں ہیں تین پہلی رکعت میں اور تین دُوسری میں، لیکن بیان کرنے والوں نے لبعض دفعہ ان کے ساتھ پہلی رکعت کی تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ رکوع اور دوسری رکعت کی تکبیرِ رکوع کو ملا کر تو ظاہر کیا ہے۔ بعض نے تکبیرِ تحریمہ کو شمار نہ کیا اور دو رکعتوں میں رکوع کی تکبیر کو شامل کر کے آٹھ بیان کر دیا، اس طرح یہ تعداد کبھی چھ، کبھی نو اور کبھی آٹھ ہو گئی لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا زائد تکبیریں صرف چھ ہی ہیں تین پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد ثناء (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) پڑھ کر کہی جاتی ہیں اور تین دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو کر اور پھر رکوع کیا جاتا ہے۔
مجمع الزوائد جلد ۱ صـ۲۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ نے فرمایا: اَلتَّكْبِيْرُ فِي الْعِيْدِ اَرْبَعًا كَالصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ: " نمازِ عید میں جنازے کی نماز کی مانند چار تکبیریں ہیں" (یعنی ہر رکعت میں تکبیرِ رکوع سمیت) اس روایت کو طبرانی نے بسندِ صحیح معجم کبیر میں بیان کیا ہے۔ کتاب الاثار صـ۲۶ میں امام محمد روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جامع مسجد کوفہ میں عبداللہؓ بن مسعود، حذیفہؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری تشریف فرما تھے کہ کوفے کا حاکم ولید آیا اور پوچھا کہ کل عید ہے میں کس طرح نماز پڑھاؤں حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ نے فرمایا: اَنْ يُكَبِّرَ فِي الْاُوْلٰى خَمْسًا وَفِي الثَّانِيَةِ اَرْبَعًا پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری میں پہلی رکعت کی تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ رکوع اور دوسری رکعت کی تکبیرِ رکوع کو شامل فرما کر تعداد نو بتائی ہے۔ طحاوی جلد ۲ صـ۳۴۳ میں ہے کہ لبعض صحابہؓ نے حضورِ اکرمؐ کی نمازِ عید کی کیفیت یوں بیان کی: كَبَّرَ اَرْبَعًا اَرْبَعًا۔ " آپؐ نے دونوں رکعات میں چار چار تکبیریں کہیں"۔ یہاں ان صحابہؓ نے تکبیرِ تحریمہ کو چھوڑ کر دونوں رکعتوں کی تکبیرِ رکوع کو ساتھ ملا کر کل تعداد آٹھ بیان فرمائی ہے امام طحاویؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ سنن ابی داؤد صـ۱۶۳ میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ " حضورؐ نمازِ جنازہ کی مانند عید میں بھی (ہر رکعت میں) چار تکبیریں کہتے تھے"۔ لہ تلخیص الحبیر جلد ۱ صـ۱۴۵ میں بحوالہ بیہقی منقول ہے کہ: عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرَاتِ۔ جنابِ عمرؓ عید کی تکبیروں میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے"۔

خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ
دو خطبے [۱] جس میں وہ سکھائے لوگوں کو صدقۃ الفطر اور اس کے
وَأَحْكَامَهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِيْدِ مَعَ
احکام اور جس شخص کی نماز عید امام کے ساتھ فوت ہو
الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ
جائے (تو) وہ اسے قضا نہ کرے [۲] پس اگر چاند لوگوں سے پردے
النَّاسِ وَشَهِدُوْا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ
میں رہے اور دو گواہ چاند دیکھنے کی گواہی دیں امام کے پاس بعد وقت
بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيْدَ مِنَ الْغَدِ فَإِنْ حَدَثَ
زوال کے [۳] تو عید کی نماز اگلے روز پڑھے اور اگر کوئی عذر
عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ
پیش آجائے جو لوگوں کو اگلے دن نماز (عید) سے روکے رہے۔

مشکل الفاظ: یُعَلِّمُ: سکھائے (تعلیم مصدر) لَمْ یَقْضِهَا: اسے قضا نہ کیا۔ غُمَّ: بادل میں رہا۔ الْهِلَالُ: پہلی کا چاند شَهِدُوْا: گواہی دی رُؤْیَةِ: دیکھنا، نظر آنا۔ الْغَدِ: آئندہ کل۔ مَنَعَ: روکا۔

[۱] عیدین کی نماز خطبے سے پہلے ہے مسلم جلد اصـ۲۹ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق کا بھی عمل بیان کیا گیا ہے۔ ابن ماجہ صـ۹۲ میں ایک حدیث ہے جس سے عیدین کا خطبہ بھی جمعہ کی مانند "دو خطبے" بیان ہوا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کا خطبہ دیا پھر آپ بیٹھے اور پھر کھڑے ہوئے"۔ (یعنی دوسرے خطبے کے لیے!)

[۲] ہاں اگر وہ چاہے تو دو یا چار نفل پڑھ لے جیسا کہ علامہ عینیؒ نے بخاری کی شرح جلد ۳ صـ۳۹۹ میں فرمایا ہے

[۳] مسند احمدؒ اور ابوداؤدؒ میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ رمضان کا آخری روزہ رکھے ہوئے تھے (یعنی تیسواں) کہ کچھ شتر سوار مدینہ میں آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی حضورؐ نے صحابہؓ کو روزہ توڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کل صبح عید گاہ چلیں (کیونکہ اس وقت عید کا وقت نہ رہا تھا)۔

لَمْ يُصَلُّوْهَا بَعْدَهٗ وَيُسْتَحَبُّ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى

(تو) اسے (نماز عید کو) نہ پڑھیں اس کے بعد اور مستحب ہے عید قربان پر کہ

اَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيُؤَخِّرَ الْاَكْلَ حَتّٰى

(آدمی) غسل کرے اور خوشبو لگائے اور تاخیر کرے کھانے میں یہاں تک

يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ وَيَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُصَلّٰى

کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور جائے عیدگاہ کی طرف اس حال

وَهُوَ يُكَبِّرُ وَيُصَلِّي الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ

میں کہ وہ تکبیریں پڑھتا ہو اور پڑھے عید قربان کی دو رکعتیں عید الفطر

الْفِطْرِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ

کی طرح اور اس کے بعد خطبہ پڑھے دو خطبوں میں لوگوں

فِيْهِمَا الْاُضْحِيَةَ وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ فَاِنْ

کو قربانی اور تکبیرات تشریق کی تعلیم دے اور

حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ

اگر کوئی عذر درپیش ہو جو لوگوں کو عید قربان کے دن نماز سے روکے

الْاَضْحٰى صَلَّوْهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ

رہے تو نماز ادا کریں اگلے دن یا اس کے اگلے دن

مشکل الفاظ: يَوْمُ الْاَضْحٰى: قربانیوں کا دن۔ عید کا دن یَغْتَسِلَ: غسل کرے۔ يَتَطَيَّبَ: خوشبو لگائے۔ يُؤَخِّرَ: موخر کرے۔ دیر سے کرے يَفْرُغَ: فارغ ہو اُضْحِيَةَ: قربانی حَدَثَ: پیدا ہوا۔

وَلَا يُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ وَتَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهٗ

اور اس کے بعد نہ پڑھے[1] اور (ایام) تشریق کی تکبیریں عرفہ کے دن

عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاٰخِرُهٗ

فجر کی نماز کے بعد سے شروع ہوتی ہیں اور ان

عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِيْ

کا آخیر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر (قربانی

حَنِيْفَةَ رح وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رح وَمُحَمَّدٌ رح اِلٰى صَلٰوةِ

کے دن) عصر کی نماز کے بعد تک ہے اور صاحبین کہتے ہیں

الْعَصْرِ مِنْ اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَالتَّكْبِيْرُ عَقِيْبَ

کہ ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک[2] (تکبیرات تشریق

الصَّلَوٰتِ الْمَفْرُوْضَاتِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ

کا اختتام ہے) اور تکبیرات تشریق شہر میں مقیم

مشکل الفاظ: عَقِيْبَ: بعد یَوْمَ عَرَفَةَ: حج کا دن یَوْمَ النَّحْرِ: دسویں ذی الحجہ۔

الصَّلَوٰتِ: صلوٰۃ کی جمع۔ اَلْمَفْرُوْضَاتِ: مفروضہ کی جمع۔ فرض کی ہوئیں۔

[1] کیونکہ عیدالاضحیٰ قربانی کے تینوں دنوں (ایام النحر) تک پڑھی جا سکتی ہے لیکن عیدالفطر کسی عذر کی بنا پر دوسرے دن تک ہی پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ حلبی شرح منیہ ص۵۲۹ میں ہے۔

[2] اس مسئلہ میں حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز تک تکبیریں کہی جائیں گی۔ مستدرک حاکم جلد اص۲۹۹ میں ہے، کہ حضرت عمرؓ نویں ذی الحجہ (یوم عرفہ) کی نماز فجر سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن (ذی الحجہ) کی نماز ظہر تک تکبیریں کہتے تھے۔ اگر نمازِ ظہر کا آخری وقت مان لیا جائے تو نمازِ عصر بھی اس میں آجائے گی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.
لوگوں پر فرض نمازوں کے بعد یہ ہے ..... الخ

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

سورج گرہن کی نماز کا باب

اِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ
جب سورج گرہن لگے تو امام لوگوں کو

رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ
دو رکعت[1] نفل پڑھائے ہر رکعت میں

مشکل الفاظ: اَلْكُسُوْفُ: سورج گرہن۔ اِنْكَسَفَتْ: گہنا گیا۔ گہن لگ گیا۔
كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ: نفل کے طریقے (صورت) پر۔

[1] بخاری جلد ا ص۱۴۲ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صحابی نے فرمایا ایک دفعہ سورج گرہن کے موقع پر حضورؐ مسجد میں تشریف لائے فَصَلّٰى مَعَنَا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ۔ حضورؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی حتیٰ کہ سورج روشن ہو گیا۔ تلخیص الحبیر جلد ا ص۱۴۶ میں ابن حبان کی روایت سے اس حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں۔ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَلٰوتِكُمْ "حضورؐ نے اسی طرح دو رکعت نماز پڑھائی جیسی کہ عام طور پر نماز پڑھی جاتی ہے" سنن نسائی جلد ا میں ہے۔ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ كَمَا تُصَلُّوْنَ "آپ نے انہیں دو رکعت اسی طرح پڑھائیں جس طرح تم پڑھتے ہو"۔ طحاوی ص۱۹۵ میں یہ الفاظ ہیں مِثْلَ صَلٰوتِكُمْ هٰذِهِ۔ ہوبہو تمہاری اسی نماز کی مانند نماز پڑھائی۔ یہی حدیث نسائی ص۲۲۱ پر ہے۔ مستدرک حاکم جلد ا ص۳۳۵ میں ہے صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَلٰوتِكُمْ هٰذِهِ۔ "آپ نے تمہاری اسی نماز کی مانند دو رکعت نماز پڑھائی"۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کی نماز بالکل عام نمازوں کی مانند ہے اور اس میں ایک ہی رکوع ہے۔ صرف اتنی بات تھی کہ حضورؐ نے اس میں قیام بہت لمبا کیا اور رکوع بھی بہت لمبا کیا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی لمبائی سے پریشان ہو کر بعض لوگوں نے سر اٹھا کر حضورؐ کی طرف دیکھا پچھلی صف والوں نے سمجھا کہ شاید حضورؐ نے بھی رکوع سے سر اٹھا کر دوبارہ رکوع کیا ہے۔ بس یہی بات آگے کو چل نکلی اور پچھلی صفوں والوں نے آپ کا ایک سے زیادہ رکوع کرنا بیان کر دیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز میں ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں۔ [2] یعنی جس طرح نفل بلا اذان

باقی صفحہ ۱۳۳ پر۔

رُكُوْعٌ وَاحِدٌ وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيْهِمَا وَيُخْفِيْ

ایک ایک رکوع کرے اور لمبی قرات کرے دونوں

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رح وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رح وَمُحَمَّدٌ رح

رکعتوں) میں اور (قراءت میں) اخفاء کرے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین

يَجْهَرُ ثُمَّ يَدْعُوْا بَعْدَهَا حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ

کہتے ہیں جہر کرے پھر نماز کے بعد دعا مانگے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے

وَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْإِمَامُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِهِمُ

اور لوگوں کو وہی امام نماز پڑھائے جو انہیں جمعہ پڑھاتا ہو

الْجُمُعَةَ فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْإِمَامُ صَلَّوْهَا

پس اگر وہ امام موجود نہ ہو تو لوگ اس نماز کو

مشکل الفاظ: يُطَوِّلُ: لمبی کرے (تطویل مصدر) يُخْفِيْ: آہستہ (مخفی) پڑھے یَجْهَرُ: بآواز بلند پڑھے۔ تَنْجَلِيْ: روشن ہو جائے۔ فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرْ: پس اگر حاضر نہ ہو۔

لہ العرف الشذی صفحہ ۲۴۵ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج گرہن کی نماز میں صرف ایک رکوع کرنا علامہ عینی نے صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے۔

۲ نسائی اور ترمذی جلد ا صفحہ ۲۱ میں بعض صحابہ کا بیان لکھا ہے کہ: لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا۔ "ہم کسوف کی نماز میں آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے یہ تو ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حسب بیان فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۵۴ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز میں جہر بھی فرمایا ہے۔ احادیث کے ان دلائل سے یا تو واقعات کا ایک سے زیادہ مرتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے یا پھر سورج اور چاند گرہن کے لیے الگ الگ حکم ہے جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ يُسِرُّ فِي الشَّمْسِ وَيَجْهَرُ فِي الْقَمَرِ "سورج گرہن میں آہستہ پڑھے اور چاند گرہن میں آواز بلند۔

۳ مسلم جلد ا صفحہ ۱۹۶ میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا جب تم گرہن وغیرہ جیسے گھبراہٹ کے حالات پاؤ تو تکبیر، دعا اور نماز کی طرف بھاگو۔ لیکن اس حدیث میں ان چیزوں کے درمیان عطف ترتیب کے لیے نہیں صرف ایک حکم میں تینوں کو جمع کرنے کے لیے ہے۔ ورنہ نماز کسوف میں بھی دعا نماز کے بعد ہی ہو گی جس طرح عام نمازوں میں ہوتا ہے۔

بقیہ وانما سنت پڑھے جاتے ہیں اسی طرح اسے بھی پڑھا جائے گا۔ ورنہ جہاں تک اس نماز کے درجہ کا سوال ہے۔ البحر الرائق کے حاشیہ شامی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ میں بحوالہ درمختار علامہ عینی فرماتے ہیں۔ صَلٰوةُ الْكُسُوْفِ سُنَّةٌ اَوْ وَاجِبَةٌ "سورج گرہن کی نماز سنت ہے یا واجب ہے" یہاں صرف اس نماز کے نفل کی مانند ادا کرنے میں تشبیہ ہے۔

اَلنَّاسُ فُرَادٰی وَلَیْسَ فِیْ خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَۃٌ۱
علیحدہ علیحدہ ہی پڑھ لیں اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہوتی اور سوائے

وَاِنَّمَا یُصَلِّیْ کُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِہٖ وَلَیْسَ فِی الْکُسُوْفِ خُطْبَۃٌ۲
اس کے نہیں کہ لوگ علیحدہ علیحدہ خود نماز پڑھ لیں اور نہیں سورج گرہن (کی نماز) میں کوئی خطبہ ہے

بَابُ صَلٰوۃِ الْاِسْتِسْقَاءِ

صلوٰۃ الاستسقاء کا باب

قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رح لَیْسَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوۃٌ مَسْنُوْنَۃٌ۳
امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں کوئی نماز مسنون ہے

مشکل الفاظ، فُرَادیٰ: اکیلے اکیلے۔ فرداً فرداً۔ خُسُوْفِ: چاند گرہن۔ بِنَفْسِہٖ: خود بخود۔ الْاِسْتِسْقَاءِ: پانی مانگنا (مادہ سقی)

۱ چاند گرہن رات کے وقت ہوتا ہے اور ایسے وقت میں جماعت کا انتظام بہت مشکل ہے اسی لیے البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ میں ہے۔ قِیْلَ الْجَمَاعَۃُ جَائِزَۃٌ عِنْدَنَا لٰکِنَّھَا لَیْسَتْ بِسُنَّۃٍ۔ "کہا گیا ہے کہ ہم حنفیوں کے نزدیک جماعت جائز تو ہے لیکن سنت نہیں ہے۔"

۲ امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں خطبہ سنت نہیں ہے لیکن حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو نماز کسوف میں خطبہ منقول ہے وہ بعض غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے تھا کیونکہ عین اسی موقع پر حضورؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ فوت ہو گئے تھے اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ سورج گرہن ابراہیمؑ کی وفات کے باعث ہوا ہے علاوہ ازیں فتاویٰ قاضی خاں جلد ۱ صفحہ ۸۵ اور شامی کے بیان کے مطابق بعض حنفی فقہاء نماز کسوف کے خطبے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے امام قدوریؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ خطبہ مسنون نہیں ہے صرف درجۂ مستحب میں ہے۔

۳ اس کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے لیے دعا الگ بھی ہو سکتی ہے لہٰذا اس کے لیے نماز استسقاء ہی ضروری نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۱۹۲ میں اس کی تین صورتیں لکھی ہیں۔

(i) صرف دعا بغیر نماز

(ii) فرض نماز کے بعد دعا

(iii) مستقل طور پر نماز استسقاء کے ساتھ دعا۔

چونکہ بارش کی دُعاء علیحدہ نماز کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا امام ابو حنیفہؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس دعا کے لیے نمازِ استسقاء ہی ضروری نہیں ہے۔ ویسے امام صاحبؒ نمازِ استسقاء کے منکر بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ نماز صرف مستحب کے درجے میں ہے باجماعت پڑھی جائے تو بھی اس کی یہی حیثیت ہے اور الگ الگ نماز پڑھ کر دعا کی جائے تب بھی یہی۔

العرف الشذی ص۲۴۳ میں ہے کہ: اَمَّا الْقِرَاءَةُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ بِالْاِسْرَارِ۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازِ استسقاء میں قرآت آہستہ آواز سے ہونی چاہیئے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامؒ صاحب اس نماز کے منکر نہیں صرف اس کے مسنون ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نمازِ استسقاء کی قرأت بآواز بلند کرنے کے قائل ہیں۔

بِالْجَمَاعَةِ فَإِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَ
باجماعت نہیں اور اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھ لیں تو جائز ہے اور

إِنَّمَا الْإِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالْإِسْتِغْفَارُ وَقَالَ
استسقاء سوائے اس کے نہیں کہ وہ ایک دعا اور استغفار ہے اور

أَبُو يُوسُفَ رح وَمُحَمَّدٌ يُصَلِّي الْإِمَامُ رَكْعَتَيْنِ
امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ امام دو رکعت پڑھائے جن میں

يَجْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ وَيَسْتَقْبِلُ
کہ جہر قرأت کرے ... پھر خطبہ پڑھے اور دعا کے سبب

الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ وَيُقَلِّبُ الْإِمَامُ رِدَاءَهُ وَلَا يُقَلِّبُ
قبلہ سے رخ ہو اور امام اپنی چادر الٹائے پلٹائے اور لوگ

الْقَوْمُ أَرْدِيَتَهُمْ وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْإِسْتِسْقَاءِ
اپنی اپنی چادریں نہ الٹائیں (قلب رداء نہ کریں) اور ذمی لوگ اس بارش طلبی میں شامل نہ ہوں

مشکل الفاظ : صَلَّى : نماز پڑھی۔ وُحْدَانًا : الگ الگ۔ ایک ایک کرکے۔ اَلْاِسْتِغْفَار : بخشش مانگنا۔ يَسْتَقْبِلُ : رخ کرے۔ منہ کرے (استقبال مصدر)۔ يُقَلِّبُ : الٹ دے (تقلیب مصدر)۔ رِدَاءٌ : چادر (اَرْدِيَة جمع)۔ اَهْلُ الذِّمَّة : اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری۔

لے فتاویٰ عالمگیر جلد اص ۹۵ میں ہے : يُصَلِّي بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ وَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ۔ "امام انہیں دو رکعت پڑھائے اور نماز کے بعد دو خطبے دے" امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک خطبہ بھی جائز ہے۔

ے ابن ماجہ کی حدیث جس کی مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۹۸ میں تصحیح کی گئی ہے، میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کے بعد خطبہ دیا اور دعا مانگی وَحَوَّلَ وَجْهَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ رَافِعًا يَدَيْهِ۔ "حضورؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر لیا"

تے کیونکہ یہ موقع دعا کا ہے اور کفار کی دعا معتبر نہیں قرآن کہتا ہے : وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ : کافروں کی دعاء گمراہی کے سوا اور کیا ہے ؟

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

(باب قیام شہر رمضان (تراویح کے باب میں))

يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ

مستحب [1] ہے کہ لوگ جمع ہوں ماہ رمضان میں عشاء کے بعد

الْعِشَاءِ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ

پس پڑھائے انھیں ان کا امام پانچ تراویح [2]

مشکل الفاظ: قِیَام: کھڑا ہونا۔ نماز پڑھنا۔ یَسْتَحِبُّ: مستحب (پسندیدہ۔ بہتر) ہے۔ یَجْتَمِعُ: جمع ہوں۔ اکٹھے ہوں۔ اِمَامُهُمْ: اُن کا امام۔ تَرْوِیحَات: ترویحہ کی جمع۔ ہر چار رکعت پر کچھ دیر آرام کرنے میں اسی لیے وہ ترویحہ کہلاتی ہیں۔

[1] یعنی جماعت مستحب ہے۔ خود نماز تراویح تو سنت مؤکدہ ہے لیکن اس کی جماعت مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرضیت کے خوف سے تراویح کی جماعت کو چھوڑ دیا تھا لیکن نماز پھر بھی ہوتی رہی چنانچہ صحابہؓ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھا کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کے اس فعل پر اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔ بیہقی نے معرفۃ الآثار والسنن میں اچھی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے اُبیؓ ابن کعب کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھاتے دیکھا تو فرمایا: قَدْ أَحْسَنُوا وَقَدْ أَصَابُوا "انھوں نے ایک اچھا اور درست کام کیا ہے"! پس معلوم ہوا کہ آپ کے تراویح کی جماعت کو ترک کر دینے سے یہ ایک چھوڑی ہوئی سنت نہیں ہوگی۔ بلکہ پھر بھی آپ نے اس فعل کے مستحب ہونے کا اظہار فرمایا تھا۔ بخاری جلد ۱ ص۲۶۹ کے مطابق حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تراویح کی جماعت کو از سر نو ایجاد نہیں کیا بلکہ صرف چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو ایک بڑی جماعت میں تبدیل کیا تھا اور چونکہ حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کے زمانے میں لوگ ایک ہی بڑی جماعت میں تراویح نہیں پڑھا کرتے تھے لہذا حضرت عمرؓ کے زمانے کا یہ کام ایک نئی بات تھا۔ گویا اس کا نئی بات ہونا حضورؐ کے زمانے کی نسبت نہ تھا حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے لحاظ سے تھا۔ عینی شرح بخاری جلد ۲ ص۵۹۸ میں امام ابوحنیفہ کا یہ قول درج ہے: إِنَّ نَفْسَ التَّرَاوِيحِ سُنَّةٌ لَا يَجُوزُ تَرْكُهَا "نماز تراویح سنت ہے اس کا ترک جائز نہیں" ہاں جماعت ایک مستحب امر ہے۔

[2] تراویح ترویحہ کی جمع ہے جس کا معنے ہے "راحت دینے والا وقفہ" یہ وقفہ چونکہ ہر چہار رکعت پر ہے لہذا ہر چار رکعت کو ترویحہ کہا گیا۔ عربی زبان میں جمع

کی کم ازکم مقدار تین ہے۔ اس لیے چار یا آٹھ رکعت کے لیے تراویح کا لفظ نہیں بولا جا سکتا کیونکہ اس تعداد میں کم ازکم تین ترویح نہیں ہیں۔ ہاں بیس رکعت کی تعداد پر بے شک "تراویح" کا لفظ صحیح طور پر بولا جاتا ہے۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی ابن کعب کی نماز تراویح کی تائید و تصویب فرمائی تھی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اُبی بن کعب کتنی تراویح پڑھتے تھے۔ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ کراچی میں ہے: کَانَ یُصَلِّی بِہِم عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً "حضرت اُبی بن کعب (بزمانہ عمر فاروق) بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے" (التعلیق الحسن جلد ۲ صفحہ ۵۵) میں بروایت امام بیہقی (معرفۃ الآثار و السنن) و بتصحیح علامہ سبکی (شرح المنہاج) سائب بن یزید سے روایت ہے: کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرِ "ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے سے بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے آرہے ہیں۔" مؤطا امام مالکؒ میں یزید بن رومان کی روایت میں بھی یہی ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ نہیں پایا لیکن حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مؤطا کی روایت میں اگر اتصال نہ ہو تو دوسرے طریق سے وہ اتصال ثابت ہوتا ہے پس یہ روایت بھی متصل ہے اور اس میں کوئی غبار نہیں۔ امام ترمذی کا فتویٰ ہے: اَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ وَغَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ لکھنؤ) "اکثر اہل علم کا عمل بیس رکعت پر ہے جیسا کہ جناب علیؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے اصحاب رسولؐ سے روایت کیا گیا ہے۔"

نوٹ: کسی صحیح روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز با جماعت نماز تراویح کی مقدار ثابت نہیں ہوئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاوی جلد (۲) صفحہ ۴۰۱ میں لکھا ہے: وَمَنْ ظَنَّ اِنَّ قِیَامَ رَمَضَانَ فِیْہِ عَدَدٌ مُّؤَقَّتٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُزَادُ وَلَا یُنْقَصُ مِنْہُ فَقَدْ اَخْطَأَ۔ "جو شخص یہ سمجھ بیٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مقرر مقدار تراویح کی ثابت ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی، وہ غلطی پر ہے۔" نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۴۶ میں قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: فَقَصْرُ الصَّلٰوۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِالتَّرَاوِیْحِ عَلٰی

عَدَدٍ مُعَیَّنٍ وَتَخْصِیْصِہَا بِقِرَاءَۃٍ مَخْصُوْصَۃٍ لَمْ تَرِدْ بِہِ السُّنَّۃُ "تراویح کا کوئی معین عدد اور خاص قرأت حضورؐ سے ثابت نہیں ہے"۔ نواب صدیق حسنؒ خاں مرحوم الانتقاد الرجیح صلا میں لکھتے ہیں: لَمْ یَأْتِ تَعَیُّنُ الْعَدَدِ فِی الرِّوَایَاتِ الصَّحِیْحَۃِ الْمَرْفُوْعَۃِ "تراویح کا مقرر عدد صحیح مرفوع روایات میں نہیں آیا"۔ نور الحسن خان صاحب رئیس اہل حدیث فرماتے ہیں۔ بالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ (عرف الجادی صہ۸۴) کسی مرفوع حدیث میں تراویح کا کوئی معین عدد نہیں آیا ہے"۔ پس صلوٰۃ اللیل کی ایک روایت کو کھینچ کھانچ کر حضورؐ سے نماز تراویح کے ثبوت پر منطبق کرنا محض سینہ زوری ہے صلوٰۃ اللیل (تہجد) کی بھی مختلف مقداریں صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو بخاری نے کتاب التہجد میں ذکر کیا ہے

فِي كُلِّ تَرْوِيحَةٍ تَسْلِيمَتَانِ وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ

ہر تراویح میں دو دفعہ سلام ہو اور (تراویح پڑھنے والا) بیٹھے

تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ ثُمَّ يُوتِرُ بِهِمْ وَلَا

ہر دو ترویحوں کے درمیان بقدار ایک ترویحہ (کے) پھر امام انہیں وتر پڑھاتے

يُصَلِّي الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ

اور نہ پڑھے وتر جماعت کے ساتھ ماہ رمضان کے سوا (کسی اور مہینے میں)

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

خوف کی نماز کا باب

إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ

جب سخت خوف[1] ہو (دشمن کا) تو امام لوگوں کو دو حصوں میں کر دے

طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً

ایک گروہ کو دشمن کی طرف (کھڑا کرے) اور (دوسرے)

خَلْفَهُ فَيُصَلِّي بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً

گروہ کو اپنے پیچھے پس وہ پڑھے اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت

مشکل الفاظ: تَسْلِيمَتَانِ: دو سلام يَجْلِسُ: بیٹھے مِقْدَارَ: برابر يُوتِرُ: وتر پڑھاتے۔ بِجَمَاعَةٍ: جماعت کیساتھ اشْتَدَّ: سخت ہوا، شدید ہوگیا۔ طَائِفَةٌ: گروہ (طائفتین تثنیہ ہے) وَجْهِ الْعَدُوِّ: دشمن کے سامنے خَلْفَ: پیچھے

[1] لیکن علمائے احناف کے ہاں خوف کی شدت ضروری نہیں صرف دشمن کا قریب ہونا ہی صلوۃ الخوف کے لیے کافی ہے۔

[2] فقہ کی کتابوں میں صلوۃ الخوف کی یہی ترکیب لکھی ہے لیکن شرح کرنے والے زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ دوسرا طبقہ امام کے سلام کے بعد وہیں اپنی نماز کو مکمل کرکے جائے تاکہ اسے ایک اور چکر نہ لگانا پڑے۔

بَابُ صَلوٰۃِ الْخَوْفِ

کے چند ضروری مسائل.

۱۔ اسلام میں فرض نماز کی اہمیت کا اندازہ اس تاکید سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں بھی معاف نہیں ہاں جس طرح سفر یا مرض وغیرہ کی حالت میں آسانیاں کر دی گئی ہیں یہاں بھی ماحول کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُکْبَانًا (البقرہ پ۲ ع۱۲) "خوف کی حالت میں پیدل یا سوار جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لو"۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ نمازِ خوف کا جو طریقہ صحیح حدیث سے ثابت ہے ہم اسے اختیار کرتے ہیں اور چونکہ آیت قرآنی میں باقی سب طریقوں کی بھی گنجائش ہے اس لیے ہم اُن کو جائز قرار دیتے ہیں حنفی حضرات میں سے امام کرخیؒ اور مراقی الفلاح کے مصنف بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ علامہ ابن الہمام اس باب میں سخت ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے نماز خوف کی تقریباً چوبیس صورتیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حزمؒ اندلسی چودہ بتاتے ہیں اور حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں چھ کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ حضورؐ سے چار موقعوں پر صلوٰۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے (۱) غزوہ ذات الرقاع (بخاری جلد۲، مسلم ص۲۷۹) (۲) بطن نخلہ (سنن نسائی، ص۲۳، طحاوی ص۱۸۸ مسند احمد ص۳۷۴) (۳) عسفان (ابوداؤد ص۱۸۱، نسائی ص۳۴۳، مسند احمد جلد ۴ ص۵۹) (۴) ذی قرد (قسطلانی ص۲۲۵ مستدرک حاکم ص۳۳۵) یہ مقام ذی قرد مدینہ منورہ سے ایک دن کے فاصلہ پر بلادِ غطفان کی طرف واقع ہے (فتح الباری جلد، ص۳۲۴) حضورؐ نے پہلے پہل غزوہ ذات الرقاع (ساتویں غزوہ) میں صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی (مسند احمد جلد ۳ ص۳۴۵) پھر حسب بیان واقدی چار سال بعد عسفان میں آپؐ نے نمازِ خوف پڑھی۔ جنگ خندق کا واقعہ حسب بیان قاضی عیاض نمازِ خوف کا حکم اترنے سے پہلے کا ہے اسی لیے آپؐ نے اس موقع پر نمازِ خوف نہیں پڑھی اور آپ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں۔ صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوا تھا۔ (۳) امام قدوریؒ نے صلوٰۃ الخوف کی جو صورت بیان کی ہے کہ ایک جماعت امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر میدان میں چلی جائے اور پھر دوسری جماعت آ کر امام کی دوسری نصف نماز میں شامل ہو جائے اس کے متعلق امام ابویوسفؒ اور امام مزنی رحؒ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز خوف کا ایک ہی امام کے پیچھے ادا ہونا حضورؐ کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلوٰۃَ "جب آپؐ ان میں موجود ہوں اور نماز با جماعت پڑھائیں"۔ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ جلد ۲ ص۲۴۴

میں لکھا ہے: لَانّ فِيهَا اَفعَالاً مُنَافِيَۃً لِلصَّلوٰۃِ فَيَتَقَصَّرُ عَلٰی مَوْرِدِ الخِطَابِ. ”چونکہ نمازِ خوف میں بہت سے افعال ہیں جو نماز کے منافی ہیں لہذا اس آیت کا حکم صرف پہلے مخاطب (پیغمبر) سے خاص ہے۔“ لہذا امام ابو یوسفؒ وامام مزنیؒ کے قول کے مطابق حضورؐ کے بعد مختلف جماعتیں علیحدہ علیحدہ اماموں کے ساتھ پوری نماز یکجا پڑھ سکتی ہیں۔ لیکن پھر جمہور فقہاء کی طرف سے ان کی تائید میں ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کا حکم صرف حضورؐ کے فعل سے ہی نہیں بلکہ قولی حکم سے بھی ثابت ہے جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۶۵ میں آیا ہے۔

اور اس کی مزید تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ حضورؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے اگر وہ اس حکم کو حضورؐ سے خاص سمجھتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ نے حسب بیان ابی داؤد صفحہ ۱۸۴ کابل میں نماز خوف پڑھی۔ طحاوی صفحہ ۱۸۳، نسائی، ابو داؤد اور احمد کے بیان کے مطابق سعیدؓ بن العاص اور حضرت حذیفہؓ نے طبرستان میں صلوٰۃ الخوف پڑھی۔ امام بیہقی کی سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۵۲ کے بیان کے مطابق حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے اصفہان میں نمازِ خوف ادا کی اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے لیلۃ الہریر میں مغرب کی نماز صلوٰۃ الخوف کے طریقے سے پڑھی۔

۴۔ فقہ حنفی کی کتابوں (متون) اور ان کی شرحوں میں نمازِ خوف کے ادا کرنے کے متعلق ذرا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ متون کے بیان کے مطابق پہلی جماعت جس نے امام کے ساتھ نصف اوّل نماز پڑھی ہے وہی پہلے نماز سے فارغ ہوگی اور دوسری جماعت کی آمد و رفت دو مرتبہ ہوگی اور دوسری مرتبہ آکر نماز سے فارغ ہوگی، لیکن شارحین کے نزدیک پہلی جماعت تو نصف پڑھ کر جا چکی ہے دوسری جماعت نصف امام کے ساتھ پڑھ کر جب امام فارغ ہو جائے تو وہیں اپنی نماز پوری کر کے پھر میدان میں جائیگی۔ گویا یہ جماعت امام کے ساتھ شامل ہونے میں تو دوسرے نمبر پر ہے لیکن فارغ پہلی جماعت سے بھی پہلے ہو جائے گی اور اس کی آمد و رفت بھی دوہری نہ ہوگی۔ مرفوع احادیث زیادہ تر شارحین کی تائید میں ہیں گو اربابِ متون کا بیان کردہ طریق بھی درست ہے ہاں البتہ یہ طریق نادر ضرور ہے۔ (واللہ اعلم)

وَّسَجْدَتَيْنِ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ.

اور دو سجدے اور جب وہ اٹھائے اپنا سر دوسرے سجدے سے

الثَّانِيَةِ مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ إِلٰى وَجْهِ

(تو) چلا جائے یہ گروہ دشمن کی طرف

الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ

اور آجائے وہ (دوسرا) گروہ پس پڑھے (امام)

الْإِمَامُ رَكْعَةً وَّسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ

ان کے ساتھ ایک رکعت اور دو سجدے اور تشہد کرے اور

وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْا إِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ

سلام پھیرے اور (وہ مقتدی) سلام نہ پھیریں اور چلے جائیں دشمن کی طرف [1] اور آجائے

الطَّائِفَةُ الْأُوْلٰى فَصَلُّوْا وُحْدَانًا رَكْعَةً

وہ پہلا گروہ پس نماز پڑھیں وہ اکیلے ایک رکعت

وَسَجْدَتَيْنِ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا

اور سجدے بغیر قراءت [2] کے اور تشہد کریں اور سلام پھیریں

مشکل الفاظ : رَفَعَ : اٹھایا (اٹھائے)، مَضَتْ : چلا گیا (آجائے معنی مصدر)، اَلطَّائِفَةُ : گروہ
وَجْهِ الْعَدُوِّ : دشمن کے سامنے، وُحْدَانًا : اکیلے اکیلے۔ واحد" کی جمع۔

[1] فقہ کی کتابوں میں صلوٰۃ الخوف کی یہی ترکیب لکھی ہے لیکن شرح کرنے والے زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ دوسرا طبقہ امام کے سلام کے بعد یہیں اپنی نماز کو مکمل کر کے جائے تاکہ اسے ایک اور چکر نہ لگانا چاہیے۔

[2] کیوں کہ وہ مسبوق نہیں لاحق ہیں لہٰذا ان پر قراءت نہیں ہے۔

نوٹ : مسبوق وہ ہے جو بعد میں آکر جماعت میں شامل ہو جبکہ امام کچھ نماز پڑھ چکا ہو۔
لاحق وہ ہے جو شروع میں امام کے ساتھ شامل جماعت ہو لیکن کسی عذر کی بنا پر چلا گیا ہو اور پھر آکر جماعت میں ملا ہو!

وَمَضَوْا إِلَىٰ وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ

اور چلے جائیں دشمن کی طرف اور آ جائے پھر وہ (دوسرا)

الْأُخْرَىٰ وَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ

گروہ اور پڑھیں ایک رکعت اور دو سجدے قرأت کے ساتھ[1] اور

وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا فَإِنْ كَانَ مُقِيْمًا صَلَّىٰ بِالطَّائِفَةِ

تشہد پڑھیں اور (پھر) سلام پھیر دیں اور اگر وہ (امام) مقیم ہو تو پڑھے

الْأُوْلَىٰ رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ وَيُصَلِّي

پہلے گروہ کیساتھ (بھی) دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں اور

بِالطَّائِفَةِ الْأُوْلَىٰ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ

پڑھے پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی دو رکعتیں

وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَلَا يُقَاتِلُوْنَ فِي حَالِ

اور دوسرے گروہ کیساتھ ایک رکعت اور وہ حالت نماز میں قتال نہ کریں

الصَّلٰوةِ فَإِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ

پس اگر وہ کریں یہ تو ان کی نمازیں باطل ہو گئی

مشکل الفاظ : مَضَوْا : وہ گئے (مضیٔ مصدر) مُقِيْمًا : جو مسافر نہ ہو لَا يُقَاتِلُوْنَ : قتال نہ کریں۔ حَالِ الصَّلٰوةِ : حالت نماز

[1] کیونکہ یہ مسبوق ہیں انہوں نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پائی ہے لہٰذا اب وہ پہلی رکعت پڑھتے وقت قرأت کریں گے۔

[2] کیونکہ قتال عمل کثیر ہے اور جب وہ نماز پڑھ رہے ہیں یا بالفعل تو نہیں پڑھ رہے بلکہ میدان میں ہیں لیکن حکماً پڑھ رہے ہیں کیوں کہ امام کے پیچھے ہیں۔ لہٰذا عمل کثیر کے ارتکاب سے نماز باطل ہو جائے گی۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ اس دوران میں (جبکہ امام کے ساتھ کچھ نماز پڑھ کر میدان میں آ گئے ہوں) کلام بھی نہ کریں۔ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

وَاِنْ اِشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلَّوْا رُكْبَانًا وُحْدَانًا

اور اگر خوف (اور) سخت ہو تو وہ نماز پڑھیں سواری کی حالت میں اکیلے

يُوْمُوْنَ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ شَاؤُا

اشارہ کر لیں رکوع و سجود کا جس جہت کی طرف چاہیں

اِذَا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى التَّوَجُّهِ اِلَى الْقِبْلَةِ

جب کہ قبلہ کی طرف رُخ کرنے پر قادر نہ ہوں

بَابُ الْجَنَائِزِ

باب الجنائز

اِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ

جب کسی شخص پر موت حاضر[1] ہو تو اسے قبلہ رُخ کر دیا جائے دایئں کروٹ

الْاَيْمَنِ وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ وَاِذَا مَاتَ شَدُّوْا

پر اور تلقین کی جائے اُسے کلمہ شہادت[2] کی پس جب وہ فوت ہو جائے تو باندھیں

لَحْيَيْهِ وَغَمَّضُوْا عَيْنَيْهِ فَاِذَا اَرَادُوْا غُسْلَهُ

اسکے دونوں جبڑے اور بند کر دیں اس کی دونوں آنکھیں اور جب (لوگ) اس کے غسل کا ارادہ کریں

مشکل الفاظ : اِشْتَدَّ : شدید ہوا۔ سخت ہوا۔ رُكْبَانًا : سوار ہو کر۔ راکب کی جمع۔ اَيِّ جِهَةٍ : جو طرف شَاؤُا : انہوں نے چاہا۔ لَمْ يَقْدِرُوْا : قادر نہ ہوتے۔ اُحْتُضِرَ : قریب المرگ وُجِّهَ : پھیرا گیا۔ شِقِّ : طرف پہلو اَيْمَنِ : دایاں لُقِّنَ : اسے تلقین لَحْيَيْهِ : اسکے جبڑے غَمَّضَ : بند کرنا۔

[1] قریب موت کا علم چہرے کی کچھ علامات سے ہو جاتا ہے جیسے اعضاء کا ڈھیلا پڑ جانا، ناک کے بانسے کا ایک طرف کو ہو جانا اور کنپٹیوں میں تبدیلی آجانا۔

[2] یعنی اس کے سامنے کلمہ شہادت آواز بلند پڑھا جائے تاکہ اس کے دل میں بھی شوق و رغبت پیدا ہو اور کلمہ پڑھ کر فوت ہو۔ اس حالت میں اُسے پڑھنے کو کہنا نہیں چاہیئے مبادا گھبراہٹ میں انکار کر دے۔ گو اس صورت کے انکار سے احکام میں تبدیلی نہیں ہو گی۔ یعنی پھر بھی اُسے مسلم ہی سمجھا جائے گا۔ لیکن کیا ضرور ہے کہ اس شدت کے عالم میں کہ اُس سے انکار ہی کرایا جائے!

وَضَعُوْهُ عَلٰى سَرِيْرٍ وَجَعَلُوْا عَلٰى عَوْرَتِهٖ
اسے تختے پر رکھیں اور رکھ دیں اس کی شرمگاہ پر

خِرْقَةً وَنَزَعُوْا ثِيَابَهٗ وَوَضَّأُوْهُ وَلَا
کپڑے کا ٹکڑا ۱ اور اتاریں اس کے کپڑے ۲ اور وضو کرائیں اسے اور نہ اسے

يُمَضْمَضُ وَلَا يُسْتَنْشَقُ ثُمَّ يُفِيْضُوْنَ
کلی کرائی جائے اور نہ اس کی ناک ۳ میں پانی دیا جائے (پھر (وہ) بہائیں اس پر پانی

الْمَاءَ عَلَيْهِ وَيُجَمَّرُ سَرِيْرُهٗ وِتْرًا وَيُغْلٰى
اور دھونی دی جائے اس کے تختے کو طاق ۴ اور جوش دیا

الْمَاءُ بِالسِّدْرِ اَوْ بِالْحَرَضِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ
جائے پانی بیری کے پتوں کے ساتھ یا اشنان سے لیکن اگر (یہ) نہ ہوں تو

مشکل الفاظ : وَضَعُوْهُ : اسے رکھا (صیغہ جمع مذکر غائب مصدر وضع) سَرِيْرٌ : تختہ جَعَلُوْا : انہوں نے کیا (جعل مصدر) عَوْرَةٌ : پردہ (شرمگاہ) خِرْقَةً : کپڑے کا ٹکڑا۔ نَزَعُوْا : انہوں نے اتارا (نزع مصدر) ثِيَابٌ : ثوب کی جمع۔ کپڑے وَضَّأُوْهُ : انہوں نے وضو کرایا۔ لَا يُمَضْمَضُ : اسے کلی نہ کرائی جائے۔ لَا يُسْتَنْشَقُ : اسکی ناک میں پانی نہ ڈالا جائے۔ يُفِيْضُوْنَ : بہائیں۔ (افاضہ مصدر) يُجَمَّرُ : دھونی دی جائے (تجمیر مصدر) وِتْرًا : طاق کے لحاظ سے۔ يُغْلٰى : ابالا جائے۔ (اغلاء مصدر) سِدْرٌ : بیری کے پتے۔ حَرَضٌ : اشنان۔

۱ یعنی اتنا کپڑا جس سے اس کی شرمگاہ ڈھک جائے۔ حنفیہ کے علاوہ مالکی حضرات کی بھی یہی رائے ہے لیکن شافعی حضرات کے نزدیک ناف سے گھٹنوں تک سارا ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

۲ کھینچ کھانچ کر کپڑے اتارنا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس طرح اتارنے سے تکلیف پاتا، جائز نہیں۔ کپڑے کھول یا کاٹ یا پھاڑ کر اتار دیئے جائیں۔

۳ کیونکہ وضو میں کلی اور ناک کا پانی داخل تو ہوگا لیکن باہر نہیں نکلے گا للذا پانی منہ اور ناک میں ڈالا ہی نہ جائے۔

۴ اس دھونی سے میت کا ماحول خوشبودار ہوگا اور اسی سے اس کا احترام اور اکرام پیش نظر ہے۔ یہ دھونی تین موقعوں پر دی جائے گی۔ (۱) جب اس کی جان نکل جائے (۲) جب اسے غسل دیا جائے (۳) جب کفن پہنایا جائے۔ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ پانی میں مرجانے والے کو بھی اس سے باہر نکالتے وقت تین مرتبہ ہلا کر غسل دیا جائے

فَالْمَاءُ الْقُرَاحُ وَيُغْسَلُ رَاْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ

خالص پانی (کافی ہے) پس دھویا جائے اس کا سر اور داڑھی خطمی

بِالْخَطْمِيِّ ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ

(گل خیرو) سے پھر اسے لٹایا جائے اس کی بائیں کروٹ پر

فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ

اور اسے پانی سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ پتہ چلے کہ پانی اس

الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَا يَلِي التَّخْتَ

کے (بدن میت کے) اس حصے تک پہنچ گیا جو تختے سے ملا ہوا

مِنْهُ ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ

ہے پھر اسے دائیں کروٹ پر لٹایا جائے

فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ الْمَاءَ

اور اسے پانی سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ پتہ چلے کہ پانی

قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ

(بدن میت کے) اس حصے تک پہنچ جائے جو تختے سے ملا ہوا ہو۔

ثُمَّ يُجْلِسُهٗ وَيُسْنِدُهٗ اِلَيْهِ وَيَمْسَحُ

پھر (غسل دینے والا) اسے بٹھائے اور تکیہ کرائے اور ملے

مشکل الفاظ: اَلْقُرَاحُ: خالص اَلْخَطْمِيُّ: گل خیرا۔ يُضْجَعُ: لٹایا جائے۔ شِقّ: پہلو اَلْاَيْسَرِ: بایاں مَا يَلِيْ: جو ملا ہوا ہے وَصَلَ: پہنچ گیا۔ يُجْلِسُ: بٹھائے يُسْنِدُ: سہارا لگائے يَمْسَحُ: ملے۔

بَطْنَهُ مَسْحًا رَفِيْقًا فَإِنْ خَرَجَ مِنْهُ

اس کے پیٹ کو ہلکے ہلکے پس اگر نکلے اس کے پیٹ سے

شَيْءٌ غَسَلَهُ وَلَا يُعِيْدُ غُسْلَهُ ثُمَّ يُنَشِّفُ

کوئی چیز (تو) اس کو دھو ڈالے اور اس کے غسل کا اعادہ نہ کرے پھر خشک

فِيْ ثَوْبٍ وَيُدْرَجُ فِيْ أَكْفَانِهِ وَيَجْعَلُ

کرے اسے کسی کپڑے سے اور اسکے کفن میں رکھے اور لگاتے

الْحُنُوْطَ عَلٰى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ وَالْكَافُوْرَ

خوشبو اس کے سر اور داڑھی پر اور (لگاتے) کافور

عَلٰى مَسَاجِدِهِ وَالسُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ

سجدے کے مقامات پر اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں

فِيْ ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَلِفَافَةٍ

میں کفن دیا جائے چادر قمیض اور لفافہ

فَإِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَوْبَيْنِ جَازَ وَإِذَا أَرَادُوْا

پس اگر وہ اکتفا کریں دو کپڑوں پر (تو) جائز ہے اور جب ارادہ

لَفَّ اللِّفَافَةِ عَلَيْهِ اِبْتَدَأُوْا بِالْجَانِبِ الْأَيْسَرِ

کریں اس پر لفافہ لپیٹنے کا تو شروع کریں بائیں جانب سے

مشکل الفاظ : بَطْنَ: پیٹ رَفِیْقًا: آہستہ سے لَایُعِیْدُ: نہ لوٹائے یُنَشِّفُ: خشک کرے۔ یُدْرَجُ: ڈالا جائے۔ اَکْفَان: کفن کی جگہ اَلْحُنُوْطَ: خوشبو۔ مَسَاجِدِ: ... اِزَار: تہ بند۔ لِفَافَه: چادر اِقْتَصَرُوْا: انھوں نے اکتفاء کی لَفّ: لپٹنا اَلْجَانِبِ الْاَیْسَرِ: بائیں طرف۔

فَأَلْقُوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْيَمِيْنِ فَإِنْ

اسے اس پر ڈال دیں پھر دائیں جانب سے پس اگر

خَافُوْا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوْهُ

وہ اندیشہ کریں کہ کفن کھل جائے گا (تو) اسے باندھ دیں

وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ

اور عورت کفن دی جائے پانچ کپڑوں میں

إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ

ازار قمیص اوڑھنی، کپڑا جس سے اس کے دونوں پستان

بِهَا ثَدْيَاهَا وَلِفَافَةٍ فَإِنِ اقْتَصَرُوْا عَلَى

باندھے جائیں اور لفافہ پس اگر وہ اکتفا کریں تین

ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ وَيَكُوْنُ الْخِمَارُ فَوْقَ

کپڑوں پر تو (یہ بھی) جائز ہے اور ہو اوڑھنی قمیص کے

الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا

اوپر لفافہ کے نیچے اور کئے (ڈالے) جائیں

عَلٰى صَدْرِهَا وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ

اس کے بال اس کے سینے پر اور نہ کنگھی کیے جائیں میت کے بال

مشکل الفاظ: فَأَلْقُوْهُ: اُسے ڈالیں۔ يَنْتَشِرَ: بکھر جائے۔ عَقَدُوْهُ: اُسے باندھا۔ خِمَار: اوڑھنی۔ تُرْبَطُ: باندھا جائے۔ ثَدْيَاهَا: اُس کی چھاتیاں۔ شَعْر: بال۔ صَدْر: سینہ۔ لَا يُسَرَّحُ: کنگھی نہ کی جائے۔

وَلَا لِحْيَتُهٗ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَلَا يُقَصُّ شَعْرُهٗ

اور نہ اس کی داڑھی اور نہ کاٹے جائیں اسکے ناخن اور نہ کاٹے جائیں اس کے بال اور کفن

وَتُجْمَرُ الْاَكْفَانُ قَبْلَ اَنْ يُدْرَجَ فِيْهَا

کے کپڑوں کو (خوشبو کی) دھونی دیجائے طاق دفعہ پیشتر اسکے کہ وہ (میت) اس میں رکھی

وِتْرًا فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْهُ صَلَّوْا عَلَيْهِ وَاَوْلَى

جائے پس جب فارغ ہوں اس سے تو نماز پڑھیں اس پر پڑھانے

النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ اِنْ حَضَرَ

کے لیے سب سے اَوْلیٰ سلطان[1] ہے اگر موجود ہو

فَاِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيْمُ اِمَامِ الْحَيِّ

اور (اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا نائب پڑھائے) اور اگر وہ بھی موجود نہ ہو تو مستحب ہے مقدم کرنا محلے کے امام کو پھر ولی کو (جنازہ پڑھانے

ثُمَّ الْوَلِيُّ فَاِنْ صَلَّى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ

کا حق ہے) اور اگر اس (میت) کی ولی اور سلطان کے علاوہ کسی اور شخص نے نماز جنازہ

اَعَادَ الْوَلِيُّ وَاِنْ صَلَّى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ اَنْ

پڑھادی تو ولی پھر دوبارہ جنازہ پڑھے اور اگر نماز جنازہ ولی نے پڑھائی تو اب جائز نہیں کسی کیلے کہ اس کے بعد اس پر

مشکل الفاظ : لَا يُقَصُّ : نہ کاٹے جائیں۔ ظُفْرٌ : ناخن ۔ تُجْمَرُ : دھونی دیجائے۔ يُدْرَجُ : ڈالا جائے۔ لپٹا جائے اَوْلیٰ : سب سے زیادہ حقدار۔ لَمْ يَحْضُرْ : حاضر نہ ہوا يُسْتَحَبُّ : مستحب ہے۔ تَقْدِيْمٌ : آگے بڑھانا اِمَامُ الْحَيِّ : محلے کا امام اَعَادَ : لوٹایا (اِعَادَةٌ مصدر)

[1] کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۸۴ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : اِذَا حَضَرَتِ الْجَنَازَةُ فَالْاِمَامُ اَحَقُّ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِهٖ " جب جنازہ حاضر ہو تو امام (امیر، سلطان) دوسروں سے اس کی نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے"۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سلطان کی موجودگی میں اگر کسی اور کو آگے بڑھایا جائے تو سلطان کی تحقیر ہوگی جس سے کاروبار سلطنت میں گڑبڑ کا خدشہ ہے اور اس لیے ناجائز ہے۔

يُصَلِّيَ اَحَدٌ بَعْدَهٗ فَاِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ

(دوبارہ) نماز جنازہ پڑھے اور اگر (کسی میت کو دفن کردیا گیا اور

عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلٰى قَبْرِهٖ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَا

اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی تھی تو نماز جنازہ پڑھی جائے

يُصَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ وَيَقُوْمُ الْمُصَلِّيْ

اس کی قبر پر تین دن (کے اندر اندر) تک[۲] اور نہ نماز پڑھی جائے اس کے

بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَالصَّلٰوةُ اَنْ

(تین دنوں کے) بعد اور نماز جنازہ پڑھانے والا میت کے سینے

يُكَبِّرَ تَكْبِيْرَةً يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى

کے مقابل کھڑا ہو اور نماز جنازہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر

مشکل الفاظ: دُفِنَ: دفن کیا گیا۔ لَمْ يُصَلَّ: نماز نہ پڑھی گئی۔ صُلِّيَ: نماز پڑھی گئی۔ بِحِذَاءِ: سامنے۔ بالمقابل۔ يُكَبِّرَ: اللہ اکبر کہے۔

[۱] نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے جب ولی نے پڑھا دی تو فرض ادا ہو گیا اس کے بعد اسکی حیثیت صرف نفل کی رہ جائیگی اور نفل نمازِ جنازہ شریعت میں ثابت نہیں۔ شاہ نجاشیؒ والئی حبشہ کی نمازِ جنازہ حضورؐ نے بحیثیت اُس کا ولی ہونے کے پڑھائی تھی کیونکہ اس کے اپنے ملک میں کسی نے نہیں ادا کی تھی اور ایسے حالات میں امیر یا سلطان ہی ولی ہوتا ہے پس یہ نماز پہلی ہی تھی نہ کہ دوسری۔ آج کل جو لوگ غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں یہ دوسری نماز ہوتی ہے پہلی نہیں جو فرض کفایہ ہے۔ پس یہ غائبانہ جنازہ نفل ہوتی جس کا ثبوت حضورؐ سے کہیں نہیں ملا۔

[۲] یہی وہ مدت ہے جس میں گمان کیا جاتا ہے کہ میت کا بدن پھٹا نہیں ہوگا اور اس مدت کے بعد نماز جنازہ نہیں پڑھنی جانی چاہیے۔ کیونکہ بالعموم تین دن کے بعد میت کا جسم پھٹ جاتا ہے۔

عَقِيْبَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً وَّيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ

کہے ایک اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے پھر اس کے بعد (دوسری) تکبیر کہے اور

عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً ثَالِثَةً يَدْعُوْا

حضور نبی علیہ السلام پر درود پڑھے پھر تیسری تکبیر کہے جس میں اپنے لیے میت

فِيْهَا لِنَفْسِهٖ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ يُكَبِّرُ

کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگے پھر چوتھی

مشکل الفاظ: عَقِيْبَ: بعد، پیچھے يُصَلِّيْ: درود پڑھے ثَالِثَةً: تیسری
يَدْعُوْا: دعا مانگے (دعا مصدر) لِنَفْسِهٖ: اپنے لیے

لہ نمازِ جنازہ جن چیزوں کا مجموعہ ہے وہ یہ ہیں (ا) اس کی حقیقت (ب) اس کی شرطیں (ج) اس کے رکن (د) اس کی سنتیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ اصل میں یہ دعا ہے نماز نہیں۔ البحر الرائق جلد ۲ صـ۱۱۶ میں ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ الْجَنَازَةِ لَيْسَتْ بِصَلٰوةٍ حَقِيْقَةً بَلْ هِيَ دُعَاءٌ "در نمازِ جنازہ درحقیقت نماز نہیں بلکہ دعا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تو قرآت ہے نہ رکوع نہ سجدہ۔ حالانکہ نماز کے لیے ان چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ "قرأت کے بغیر نماز نہیں" نمازِ جنازہ میں چونکہ میت سامنے ہوتی ہے اس لیے یہ حقیقت میں نماز نہیں دعا ہے اگر نماز ہوتی تو سامنے میت کو رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اور چونکہ نمازِ جنازہ کی صرف دعا ہے اسی لیے اس کے بعد عام نمازوں کی طرح دعا نہیں مانگی جاتی۔ ہمارے فقہانے نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں اصل نمازِ جنازہ جو خود دعا ہے اس پر ایک زیادتی کا شبہ لازم آتا ہے۔ مرقات جلد ۲ صـ۳۱۹ میں ہے: لَا يَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ: "نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نمازِ جنازہ میں زیادتی کی مانند ہے۔" البحر الرائق جلد ۲ صـ۱۸۳ میں ہے کہ وَلَا يَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِيْمِ "سلام کے بعد دعا نہ مانگے"۔ یہ تو ہوئی نمازِ جنازہ کی حقیقت۔ اس کی صفت یہ ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہے اور شرطیں اس کی چھ ہیں (۱) میت کا مسلمان ہونا (۲) اس کا پاک یعنی غسل دیا ہوا ہونا (۳) میت کا حاضر ہونا۔ پس غائب پر نمازِ جنازہ نہیں (۴) میت کا سامنے ہونا۔ پس اگر وہ گاڑی میں ہو یا سواری پر ہو تو جائز نہ ہوگا (۵) میت کا کل جسم یا اس کا زیادہ حصہ نمازِ جنازہ پڑھنے والے کے آگے ہونا (۶) قبلہ رخ ہونا۔ نمازِ جنازہ کے ارکان دو ہیں: ۱۔ چار تکبیریں (۲) قیام، اور نمازِ جنازہ کی سنتیں تین ہیں (۱) ثنا و تحمید (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ الخ) ۱۱ درود شریف (۱۱۱) میت کے لیے دعا مغفرت۔

تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ
تکبیر کہے اور سلام پھیر دے اور نہ اٹھائے اپنے ہاتھ

إِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى وَلَا يُصَلِّيْ عَلٰى
مگر پہلی تکبیر میں اور نہ کسی میت پر نماز

مَيِّتٍ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ فَإِذَا حَمَلُوْهُ
جنازہ پڑھے مسجد میں جماعت والی میں اور جب رکھیں اسے

عَلٰى سَرِيْرِهِ أَخَذُوْا بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ
رکھیں (میت کو) چارپائی پر تو پکڑیں اس کے چاروں پائے

وَيَمْشُوْنَ بِهِ مُسْرِعِيْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ
اور اسے لے چلیں جلدی کرتے ہوئے دوڑنے کے بغیر

مشکل الفاظ : رَابِعَةً : چوتھی حَمَلُوْهُ : اسے اٹھایا (حمل مصدر) سَرِيْرِهِ : چارپائی۔ قَوَائِم : پائے يَمْشُوْنَ : چلیں (مشی مصدر) مُسْرِعِيْنَ : جلدی کرتے ہوئے۔ دُوْنَ الْخَبَبِ : دوڑے بغیر۔

[1] یعنی عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہیے اور باقی تکبیروں کے ساتھ ہاتھ نہ اٹھانا ہی افضل ہے۔

[2] ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے: "حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهٗ شَيْءٌ " جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اسے کچھ نہیں ملا"۔ آثار السنن جلد ۲ صفحہ ۱۲ کے مطابق اس روایت کی سند حسن ہے۔

[3] عبدالرزاق نے مرسل صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ جنازے کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔ اس لیے حنفیہ کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا مگر شافعیہ کے ہاں آگے چلنا افضل ہے۔ جنازے کے ساتھ سواری پر نہ جانا چاہیئے ہاں واپسی پر سوار ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔

فَإِذَا بَلَغُوْا إِلَىٰ قَبْرِهٖ كَرِهَ لِلنَّاسِ أَنْ

پس جب پہنچیں اس کی قبر کے قریب تو لوگوں کیلئے مکروہ ہے کہ آدمیوں

يَجْلِسُوْا قَبْلَ أَنْ يُّوْضَعَ مِنْ أَعْنَاقِ

کے کندھوں سے جنازہ اتارنے سے پہلے بیٹھیں

الرِّجَالِ وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ وَيُدْخَلُ

اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے پس داخل کی

الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةِ فَإِذَا وُضِعَ فِيْ

جائے اس میں میت اس جانب سے جو قبلے کی طرف ہو[۲] جب اسے رکھا جائے

لَحْدِهٖ قَالَ الَّذِيْ يَضَعُهٗ بِسْمِ اللّٰهِ وَ

اس کی لحد میں (تو) کہے وہ شخص جو اسے رکھ رہا ہے بسم اللہ

عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَيُوَجِّهُهٗ إِلَى

وعلی ملۃ رسول اللہ[۳] اور منہ پھیر دے اس کا (میت کا)

مشکل الفاظ: بَلَغُوْا: وہ پہنچے كَرِهَ: مکروہ ہے أَنْ يُّوْضَعَ: کہ رکھا جائے۔
أَعْنَاقِ: گردنیں يُحْفَرُ: کھودی جائے يُلْحَدُ: لحد بنائی جائے يَلِي الْقِبْلَةِ: قبلہ کی جانب
وُضِعَ: رکھا گیا لَحْدِهٖ: قبر يَضَعُهٗ: اسے رکھے يُوَجِّهُهٗ: اس کا منہ پھیرے۔

۱ ابوداؤد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إِذَا اتَّبَعْتُمُ الْجَنَازَةَ فَلَا تَجْلِسُوْا حَتّٰى تُوْضَعَ "جب تم جنازے کے پیچھے آؤ تو اسے نیچے اتارنے سے پہلے مت بیٹھو۔"

۲ یعنی میت کی چارپائی کو قبر سے مغرب کی طرف رکھا جائے اور ادھر سے ہی میت کو قبر میں اتارا جائے۔

۳ ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۳ اور ابن ماجہ ص ۱۱۲ کی روایت کے مطابق رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔

الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَيُحَلُّ الْعُقْدَةُ

قبلے کی طرف اس کی دائیں کروٹ پر اور کھول دیے بند

وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ وَيُكْرَهُ الْاٰجُرُّ وَ

اور لگا دے اس پر کچی اینٹیں اور مکروہ ہے پکی اینٹ اور

الْخَشَبُ وَلَا بَاْسَ بِالْقَصَبِ ثُمَّ يُهَالُ

اور لکڑی اور نہیں حرج سرکنڈے میں پھر ڈالی جائے اس

التُّرَابُ عَلَيْهِ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُسَطَّحُ

پر مٹی اور بنائی جائے قبر کوہان شتر کی طرح اور چار پہلو نہ کی جائے

وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِلَ

اور جس بچے نے ولادت کے بعد آواز نکالی (اور پھر مر جائے) تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور اس کی نماز جنازہ

وَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَهِلَّ اُدْرِجَ فِيْ

بھی پڑھی جائے اور اگر اس کی آواز نہ نکلی ہو تو اسے رکھا

مشکل الفاظ: یُحَلّ: کھول دیا جائے۔ العُقْدَةُ: بند۔ یُسَوّٰی: برابر کر دیا جائے۔ اللَّبِنُ: کچی اینٹیں۔ الآجُرُّ: پکی اینٹ۔ الخَشَبُ: لکڑی۔ بِالْقَصَبِ: سرکنڈہ۔ یُهَالُ: بہائی جائے۔ یُسَنَّمُ: کوہان بنائی جائے۔ لَا یُسَطَّحُ: نہ برابر کی جائے۔ نہ چار پہلو بنائی جائے۔ اِسْتَهَلَّ: رویا۔ آواز نکالی۔ اُدْرِجَ: لپیٹا گیا۔

۱؎ نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۸۲ میں ابو داؤد کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا: "بیت الحرام (کعبہ) با حرمت گھر) زندگی اور موت کے بعد (یعنی قبر میں) تمہارا قبلہ ہے۔" شامی جلد ۱ صفحہ ۹۳۵ میں ہے کہ میت کو قبر میں قبلہ رخ کرنا سنت ہے۔

۲؎ امام محمدؒ نے کتاب الآثار صفحہ ۹۶،۹۷ میں فرمایا ہے: اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ تَرْبِيْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِيْصِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ بِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ "پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو مربع بنانے اور پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔"

۳؎ ابن عدی نے اچھی سند کے ساتھ حضور ؐ کی یہ حدیث بیان کی ہے: اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ "جب بچے کی آواز نکلی (اور پھر مر گیا) تو اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور وہ وارث بھی ہوگا (درایہ صفحہ ۱۴۴)

خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

جائے ایک کپڑے میں اور دفن کر دیا جائے اور نہ پڑھی جائے اسپر نماز جنازہ

بَابُ الشَّهِيْدِ

باب الشہید

اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي

شہید وہ (شخص) ہے جسے مشرکین قتل کریں یا وہ میدان جنگ میں (پڑا)

الْمَعْرَكَةِ وَبِهٖ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ

پایا جائے اور اس پر زخم کا نشان ہو یا اسے مسلمانوں نے ظلماً

الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْمًا وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ[۱]

قتل کیا ہو اور اس کے قتل سے کسی پر دیت واجب نہ ہوئی

فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ وَاِذَا اسْتُشْهِدَ

پس اسے (ایسے شہید کو) کفن دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے غسل نہ دیا جائے اور جب

مشکل الفاظ: وُجِدَ: پایا گیا الْمَعْرَكَةِ: میدان جنگ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ: زخم کا نشان ظُلْمًا: ظلم سے دِيَةٌ: خون بہا اسْتُشْهِدَ: شہید کر دیا گیا۔

[۱] یعنی غسل سے صرف وہی شہید مستثنیٰ نہیں جو میدان جنگ میں قتل ہوئے ہیں بلکہ جس شخص کو گھر بیٹھے ظلم سے مار ڈالا جائے اور وہ قتل شرعاً "قتل عمد" کی تعریف میں داخل ہو تو وہ بھی غسل سے مستثنیٰ ہے۔

[۲] امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جنگ اُحد میں حضرت حنظلہؓ حالت جنابت میں شہید ہو گئے تھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا اِنَّ صَاحِبَكُمْ حَنْظَلَةَ تُغَسِّلُهُ الْمَلَائِكَةُ (زیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۱۶) "تمہارے ساتھی حنظلہؓ کو فرشتے نہلا رہے ہیں"۔ پس شہادت کی وجہ سے آئندہ غسل یعنی غسل میت تو موقوف ہو گیا لیکن جو غسل پہلے سے واجب تھا وہ بدستور رہا۔ لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت حنظلہؓ کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعزاز و اکرام بخشا لیکن غسل جنابت موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ موت کے بعد انسان شرعی احکام کا مکلف (مخاطب) نہیں رہتا۔ لہٰذا شہید کو کسی حالت میں بھی غسل نہ دیا جائے گا۔

الْجُنُبُ غُسِلَ وَكَذٰلِكَ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ

کوئی جنبی شہید کر دیا جائے (تو) اسے غسل دیا جائیگا اور اسی طرح حیض اور نفاس والی عورت (کا حکم ہے)

عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رح وَكَذٰلِكَ الصَّبِیُّ وَقَالَ اَبُوْ

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور اسی طرح بچے کا حکم ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ

یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رح لَا یُغْسَلَانِ وَلَا یُغْسَلُ عَنِ الشَّهِیْدِ

کہتے ہیں کہ جنبی اور بچے کو بھی غسل نہ دیا جا سکے گا اور شہید سے اس کا خون نہ پونچھا

دَمُهٗ وَلَا یُنْزَعُ عَنْهُ ثِیَابُهٗ وَیُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ

جاتے اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں اور اتار لیے جائیں اس

وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ وَالسِّلَاحُ وَمَنِ ارْتُثَّ

سے پوستین اور صدری اور موزے اور ہتھیار اور جو (مقتول) دیر میں مرے سے

غُسِلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَنْ یَّأْکُلَ اَوْ یَشْرَبَ

غسل دیا [1] جائے اور دیر میں مرنا یہ ہے کہ وہ (جس پر وار کیا گیا ہے) کھائے پیئے

مشکل الفاظ: اَلْجُنُبُ: جس پر نہانا فرض ہو۔ اَلْحَائِضُ: حیض والی عورت اَلنُّفَسَاءُ: جس نے بچہ جنا ہو دَمُهٗ: اس کا خون لَا یُنْزَعُ: نہ اتارے جائیں۔ اَلْفَرْوُ: پوستین اَلْحَشْوُ: صدری اَلْخُفُّ: موزہ وَالسِّلَاحُ: ہتھیار اِرْتُثَّ: دیر سے مرا۔ اِرْتِثَاثٌ: دیر سے مرنا۔

[1] جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی وفات قاتلانہ حملہ کے بعد کچھ دیر سے واقع ہوئی تھی لہذا دونوں حضرات کو غسل دیا گیا۔ لیکن یہ فرق صرف غسل دینے میں ہی ہے اس سے ان کے درجۂ شہادت میں نقص واقع نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ یہاں شہید کے صرف غسل اور کفن دفن کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

أَوْ يُدَاوِي أَوْ يَبْقَى حَيًّا حَتَّى يَمْضِيَ عَلَيْهِ وَقْتُ

یا اس کی دوا کی جائے یا وہ اتنا عرصہ زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت

صَلٰوةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ أَوْ يُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا

گزر جائے اور اسے ہوش ہو یا اسے میدان جنگ سے (زندہ) لایا جائے

وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَ صُلِّيَ عَلَيْهِ

اور جو شخص حد جاری ہونے سے قتل ہو جائے یا قصاص میں (وہ مارا جائے) تو اسے غسل دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی

وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيْقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

اور باغیوں ڈاکوؤں میں سے جو مارا جائے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔[1]

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْكَعْبَةِ

کعبہ میں نماز کا باب

اَلصَّلٰوةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَ نَفْلُهَا

نماز کعبہ میں جائز ہے فرض اور نفل

مشکل الفاظ: يُدَاوِي: دوا کی جائے۔ يَبْقَى: باقی رہے۔ حَيًّا: زندہ۔ يَمْضِي: گزر جائے۔ يَعْقِلُ: ہوش میں ہو۔ يُنْقَلُ: لایا جائے۔ حَدٍّ: سزائے شرعی۔ قِصَاصٍ: بدلہ۔ بُغَاةٌ: باغی کی جمع۔ قُطَّاعِ الطَّرِيْقِ: ڈاکو (قاطع کی جمع)۔ فَرْضُهَا: اس کا فرض

[1] ہدایہ جلد ۱ ص ۱۶۴ میں ہے: لِأَنَّ عَلِيًّا لَمْ يُصَلِّ عَلَى الْبُغَاةِ۔ "کیوں کہ حضرت علیؓ نے باغیوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی"

فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ فِيهَا بِجَمَاعَةٍ وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ

اور اگر امام پڑھے نماز اس میں (کعبہ میں) جماعت کیساتھ اور کر لیں ان میں سے

ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ وَمَنْ جَعَلَ

بعض (مقتدی) اپنی پشت امام کی طرف (تو ان کی نماز) جائز ہے ۱؎ اور جس نے کیا ان میں

مِنْهُمْ وَجْهَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ جَازَ وَيُكْرَهُ

سے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف تو (اس کی نماز) بھی جائز ہے ۲؎ اور (ایسا کرنا)

وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ

مکروہ ہے اور جس نے کی ان میں سے اپنی پشت امام کے منہ کی طرف (تو) نہیں

تَجُزْ صَلٰوتُهُ وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ

جائز ہوگی اس کی نماز ۳؎ اور جب امام نماز پڑھے مسجد حرام میں اور

الْحَرَامِ فَتَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ

لوگ حلقہ باندھ لیں گرد کعبہ کے

مشکل الفاظ: ظَهْرِ: اپنی پیٹھ وَجْهَهُ: اپنا چہرہ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: کعبہ کے گرداگرد جو مسجد ہے۔ تَحَلَّقَ: حلقہ بنایا۔ حَوْلَ: اردگرد۔

۱؎ کیونکہ مقتدی کا منہ اس صورت میں بھی قبلہ ہی کی طرف ہے، ایک طرف منہ ہونے سے دوسری طرف پیٹھ ہوگی لیکن پھر بھی نماز جائز ہے کیونکہ "استقبال" کا لحاظ کیا جائیگا اور وہ اس صورت میں بھی ہے۔ اور چونکہ وہ امام کے آگے نہیں لہذا اقتدار بھی درست ہوئی۔

۲؎ ایسا کرنا خلاف سنت ہے لیکن نماز ہو جائے گی کیونکہ مقتدی قبلہ رُخ بھی ہے اور امام سے آگے بھی نہیں۔

۳؎ اس صورت میں وہ امام سے آگے ہے لہذا مقتدی نہ رہا۔

وَصَلَّوْا بِصَلٰوۃِ الْاِمَامِ فَمَنْ کَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبَ

اور نماز پڑھیں امام کی نماز کے ساتھ تو جو ان میں سے امام سے بھی

اِلَی الْکَعْبَۃِ مِنَ الْاِمَامِ جَازَتْ صَلٰوتُہٗ اِذَا لَمْ

زیادہ کعبہ کے قریب ہوگا تو اس کی نماز (بھی) جائز ہوگی جب کہ

یَکُنْ فِیْ جَانِبِ الْاِمَامِ وَمَنْ صَلّٰی عَلٰی ظَهْرِ الْکَعْبَۃِ

وہ امام کی جانب نہ ہو اور جس نے نماز پڑھی کعبہ کی چھت پر تو اس کی نماز

جَازَتْ صَلٰوتُہٗ

بھی جائز لہ ہے

مشکل الفاظ: صَلَّوْا، انہوں نے نماز قائم کی۔ اَقْرَب: زیادہ قریب

جانب الامام: امام کی طرف ظهر: چھت

لہ یہاں صرف نماز کے ہو جانے سے بحث کی جارہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ نماز کے ارکان وشرائط وغیرہ سب موجود ہیں لہذا نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ترمذی جلد ا صـــ۱۱۲ میں ہے کہ حضورؐ نے جن سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے روکا ہے ان میں سے ایک کعبہ شریف کی چھت بھی ہے۔ ہدایہ جلد ا صـــ۱۶۵ میں ہے: اِنَّہٗ یُکْرَہُ لِمَا فِیْہِ مِنْ تَرْکِ التَّعْظِیْمِ وَقَدْ وَرَدَ النَّهْیُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترکِ تعظیم ہے اور حضورؐ سے اس کی تعظیم ترک کرنا منع ہوا ہے"۔

یہ بحث تو تھی کراہت اور خلافِ ادب ہونے کی۔ جہاں تک صرف نماز ہو جانے کا تعلق ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی یعنی فرض سر سے اتر جائیگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کعبہ کی بنیادوں سے لے کر آسمان کی انتہائی بلندیوں تک قبلہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ایسے بلند مقام مثلاً پہاڑ وغیرہ پر نماز پڑھی جائے جس کی بلندی کعبہ کی چھت سے بھی زیادہ ہے تو بھی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ کعبہ کے نیچے سے لے کر آسمان تک ہوا، فضا، وغیرہ سب جہتِ قبلہ ہے اور اسی لیے ہوائی جہاز میں بھی نماز جائز ہوگی۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز سرے سے جائز نہیں یعنی خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بنا پر کہ ان کے نزدیک قبلہ صرف کعبہ کی عمارت ہے۔ لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اونچے سے اونچے مقام پہ قبلہ رخ نماز ان کے ہاں بھی درست ہے حالانکہ ایسی حالت میں رخ عمارتِ الکعبہ کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اس سے اوپر کی فضا اور ہوا کی طرف ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

تَمَّ الجُزْءُ الاَوَّلُ مِنْ شَرْحِ القُدُوْرِیْ وَیَتْلُوْهُ الجُزْءُ الثَّانِیْ

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ العَزِیْز اَوَّلُهٗ کِتَابُ الزَّکٰوۃ

سوالات ضروری از نصاب قدوری

۱۔ نمازوں کے اوقات نظام شمسی کے مطابق بیان کیجئے اور ان کی حدود بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کا جواب دیجئے :

۱۔ صبح صادق اور صبح کاذب کیا مراد ہے اور ان کی پہچان کیا ہے۔
۲۔ شفق کے معنی میں حضرت امام اور صاحبین کا کیا اختلاف ہے۔
۳۔ سایہ زوال کسے کہتے ہیں اس کے معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے۔
۴۔ ظہر کی نماز کا وقت دو مثل تک رہتا ہے"۔ اس کی تشریح کیجئے۔
۵۔ نماز فجر کے لیے کون سا وقت مستحب ہے غلس یا اسفار۔
۶۔ ظہر کے مستحب وقت کے لیے موسموں کا اختلاف کیا ہے۔
۷۔ نماز عشا اور وتروں کے لیے کون سے اوقات بہتر ہیں۔

۲۔ (ا) آذان کے آداب کیا ہیں (ب) کن کن نمازوں کے لیے اذان کہنی چاہئیے اور (ج) کن کن نمازوں کے لیے اذان نہیں ؟

اشارات :

(ا) وقت ہونا، قبلہ رو ہونا، صلوٰۃ وفلاح پر دائیں اور بائیں پھرنا، ہر کلمہ دو دفعہ کہنا۔ کلمات ماثورہ میں انحصار۔ (وضو ضروری نہیں) (ب) نماز پنجگانہ، نماز جمعہ، نماز فائتہ (ج) نماز عید، نماز جنازہ، نماز کسوف، تراویح، نماز استسقاء۔

۳۔ مندرجہ ذیل کا مفہوم بیان کیجئے اور تشریح بھی کیجئے۔
(۱) ترسل (۲) حدر (۳) ترجیع (۴) اقامت (۵) الصلوٰۃ خیر من النوم

۴۔ نماز کی شرطیں کیا کیا ہیں ستر عورت کے باب میں مرد اور عورت (آزاد اور باندی) میں کیا کیا فرق ہے۔

اشارات :

باوضو ہونا، ستر عورت، نیت، قبلہ رُخ ہونا، جگہ کا پاک ہونا وغیرہ۔

۵۔ نماز کا وقت ہو جائے تو مندرجہ ذیل حالات کے لوگ کیا کریں۔
(۱) جنہیں پانی اور پاک مٹی میسر نہ آئے (۲) جو لوگ ننگے ہوں (۳) جنہیں قبلے کا صحیح پتہ نہ ہو

۶ - نماز کے فرائض کیا ہیں ان میں حضرت امام اور صاحبین کا کیا اختلاف ہے انہیں بیان کرنے کے بعد صاحب قدوری نے جو یہ لکھا ہے وما زاد علیٰ ذالک فھو سنۃ اس میں سنت سے کیا مراد ہے درمیانی قعدے کا حکم بھی بیان کیجئے۔

اشارات:

تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع، سجود، قعدہ اخیرہ سازیں عنوان پر اختلاف ہے سنت سے مراد ثابت بالسنۃ۔

۷ - سجدے میں ناک اور پیشانی دونوں کے زمین پر لگنے میں حضرت امام اور صاحبین کا کیا اختلاف ہے۔ پگڑی پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے۔ مریض اپنے آگے تکیہ رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۸ - وتر کے متعلق فقہاء میں کیا کیا اختلاف ہیں فقہ حنفی کے مطابق وتر ادا کرنے کا مسنون طریق کیا ہے۔

۹ - نماز میں کم از کم کتنی قرأت ضروری ہے اس میں حضرت امام اور صاحبین کا اختلاف نقل کیجئے۔

۱۰ - نماز میں جماعت واجب ہے یا سنت۔ بصورت ثانی مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ اس کے ساتھ مندرجہ ذیل امور کا بھی جواب دیجئے۔

۱- امامت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے نام مراتب تدریج تحریر کیجئے۔
۲- کن کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے اور کن کن کی بالکل ناجائز ہے۔
۳- عورتوں کے جماعت میں شامل ہونے کا کیا حکم ہے اور اس میں کیا کیا اختلاف ہیں۔
۴- عورتوں کی علیحدہ جماعت کا کیا حکم ہے اور اس کا کیا طریق ہے۔
۵- صفیں کس ترتیب سے باندھنی چاہئیں۔
۶- ایک امام اور ایک مقتدی ہوں تو کھڑے ہونے کا طریق کیا ہے۔

۱۱ - مندرجہ ذیل نمازوں کا حکم شرعی بیان کیجئے:-

(۱) کھڑے ہونے والے کی نماز بیٹھنے والے کے پیچھے (۲) فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے (۳) بالغ کی نماز نابالغ کے پیچھے (۴) نفل پڑھنے والے کی نماز فرض پڑھنے والے کے پیچھے (۵) ظہر قضا کرنے والے کی نماز عصر پڑھنے والے کے پیچھے (۷) پاک عورتوں کی نماز مستحاضہ عورت کے پیچھے (۹) رکوع و سجود کرنے والے کی نماز اشارے سے پڑھنے والے کے پیچھے (۱۰) پاؤں دھونے والے کی نماز موزوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے۔

۱۲۔ مکروہات نماز اور مفسدات نماز علیحدہ علیحدہ تحریر کیجئے۔
۱۳۔ وہ بارہ مسئلے کون سی ہیں کہ آخری قعدہ بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد ان کے پیش آنے پر امام صاحب کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے اور
صاحبین کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی وجہ اختلاف بھی تحریر کیجئے۔

اشارات:

باب صفتہ الصلوٰۃ کے آخری پیرے کی بارہ مسئلے ہیں:

۱۴۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا میں مسئلہ ترتیب کیا ہے اس کے واجب ہونے کے دلائل کیا ہیں اور کن کن صورتوں میں قضاء الفوائت میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔
۱۵۔ وہ کون سے اوقات ہیں جب نماز پڑھنا مکروہ ہے ان میں کہاں کہاں اور کس کس صورت میں استثنا ہے وجوہ استثنا بھی تحریر کیجئے۔
۱۶۔ نماز پنجگانہ میں ہر نماز کے ساتھ کتنی سنتیں ہیں اور ان کا محل کیا ہے نماز جمعہ کی اول آخر کل سنتیں بھی تحریر کیجئے موکدہ غیر موکدہ کی بھی تفصیل کر دیجئے۔
۱۷۔ چار رکعت فرض اور چار رکعت نفل پڑھنے میں کیا کیا فرق واقع ہوتے ہیں۔

اشارات:

(۱) نفل کی تمام رکعتوں میں قرآت فرض ہے اور فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں (۲) فرضوں کی پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ اور سنتوں اور نفلوں کی پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد سورت بھی (۳) فرض قدرت علی القیام کے ہوتے ہوئے بیٹھ کر جائز نہیں نفل جائز ہیں (۴) نفل سواری کے اوپر بلا عذر بھی جائز ہیں (۵) نفلوں کی تیسری رکعت میں بھی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وغیرہ۔

۱۸۔ سجدہ سہو کن کن صورتوں میں واجب ہوتا ہے جہری اور سری نمازوں میں کتنی مقدار قرأت خلاف اصل ہو تو سجدہ سہو لازم آتا ہے مقتدی سے واجب رہ جائے تو اس کے سجدہ سہو کی کیا صورت ہو گی۔
۱۹۔ اگر کسی نمازی کو درمیانہ تشہد یاد نہیں رہا اور وہ تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور اب اسے اپنا بھولنا یاد آ گیا اب وہ کیا کرے اسی طرح اگر وہ آخری قعدے کو بھول جائے تو پھر کیا کرے پانچویں رکعت پڑھ لینے کی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیئے کس امام کے نزدیک بطلان وصف بطلان اصل کا موجب ہے اور کن کن کے ہاں یہ صورت بطلان اصل کو لازم نہیں۔
۲۰۔ اگر کسی کو یہ یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار اور وہ کسی ایک جانب کو ترجیح

نہ دے سکے تو پھر کیا کرے۔

۲۱۔ نمازِ مریض کے احکام کیا ہیں اگر کوئی دو دن تک بے ہوش رہے تو اس دوران کی نمازیں اس کے ہاں واجب القضا ہوں گی یا نہ؟

اشارات:

(وضو لازم نہ ہونا، قیام ضروری نہ ہونا، رکوع و سجود نہ کر سکنے کی صورت میں اشارے کی اجازت وغیرہا)۔

۲۲۔ سجدۂ تلاوت واجب ہے یا سُنت اس کے دلائل بیان کیجئے۔ قرآن پاک میں کتنے مواقع پر سجدہ تلاوت لازم ہے۔ ان میں سے کس کس سجدے پر فقہاء کرام میں اختلاف ہے آیت سجدہ تلاوت کرنے پر کس کس کے ذمہ سجدہ لازم آتا ہے مقتدی امام کے پیچھے آیت سجدہ پڑھ لے تو اس کے سجدے کا کیا حکم ہے۔ سجدہ تلاوت ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

۲۳۔ اگر کسی شخص نے ایک ہی جگہ ایک ہی آیت سجدہ بار بار تلاوت کی تو اس کے ذمہ سجدۂ تلاوت کتنی دفعہ لازم آئے گا۔ اگر اس نے ایک دفعہ آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کر لیا اور پھر دہیں اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی اور وہی آیت سجدہ پھر پڑھی تو اب اس کے ذمہ نماز میں سجدہ لازم آئے گا یا نہ؟ اسی طرح اگر اس نے پہلے بحالت نماز سجدہ کر لیا اور پھر نماز کے بعد وہی آیت پڑھی تو اب سجدہ پھر کرے یا نہ؟ ہر جواب کی وجہ تحریر کیجئے۔

۲۴۔ سفرِ شرعی کی کم از کم مقدار کیا ہے اور وہ کون سے احکام شریعت ہیں جو اس سفر سے متاثر ہوتے ہیں۔ حالت سفر میں نفل نمازوں اور سنتوں کا حکم ہے۔ سفر میں اتمام جائز ہے یا نہ؟ سفر کی صورت میں قصر نماز کے احکام کب سے شروع ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) سفر کی حالت میں نیت کا دخل و اثر کہاں تک ہے وہ کون سی صورت ہے کہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کے باوجود نماز میں قصر ہی کی جاتی ہے۔

(۲۶) مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے یا مقیم مسافر کے پیچھے تو ہر دو صورتوں کے احکام کیا ہوں گے۔ اگر کوئی مسافر اپنی نماز پڑھ چکا ہے مگر ایک سابق نماز کی قضا اس کے ذمہ ہے تو اس کے لیے وہ کسی مقیم امام کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں اپنے جواب کی وجہ نوٹ کیجئے۔

(۲۷) مندرجہ ذیل امور کی تشریح کیجئے اور ان کے احکام لکھئے۔

(۱) وطن اصلی اور وطن اقامت (۲) جمع بین الصلوٰتین (۳) کشتی میں نماز۔

(۲۸) نماز جمعہ گاؤں میں جائز نہیں اس کے دلائل تحریر کیجئے۔

(۲۹) نماز جمعہ واجب ہونے کی شرطیں کیا کیا ہیں اور اس کے ادا کرنے کی شرطیں کیا کیا ہیں۔

کن کن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں۔

۳۰۔ نماز عید کا طریقہ کیا ہے اس میں عام دو رکعتی نماز سے کتنی تکبیریں زائد ہیں اور ان کا محل کیا ہے
نماز عید کے آداب کیا ہیں۔

اشارات :

اچھا لباس پہننا، باہر میدان میں نماز پڑھنا، تکبیرات عید الفطر میں پہلے کھا کر جانا اور عید الاضحیٰ کے بعد کھانا رستے کی تکبیرات۔ خطبے کا سننا وغیرہ۔

۳۱۔ نماز تراویح سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو قدوری کے اس فقرے کا مطلب بیان کیجئے " یستحب ان یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء" نماز تراویح کی کتنی رکعات ہیں اس کی تفصیل کیجئے۔

۳۲۔ مندرجہ ذیل نمازوں کی صورت ادا قلمبند کیجئے:

(۱) نماز کسوف (۲) نماز استسقاء (۳) نماز خوف

۳۳۔ غسل میت کے آداب کیا ہیں۔ عورت اور مرد کے کفن کی علیحدہ علیحدہ تفصیل کیجئے۔

۳۴۔ نماز جنازہ کا طریقہ کیا ہے؟ کن کن لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنی ضروری ہے؟ نماز جنازہ کا حکم کیا ہے؟ یہ بھی بتلایئے کہ نماز جنازہ مسجد میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳۵۔ شہید کسے کہتے ہیں شہداء پر کن صورتوں میں غسل لازم آتا ہے اور کن مقتولین کی نماز جنازہ نہیں۔

اشارات :

(۱) جنبی ہونے کی صورت میں زخمی ہونے کے بعد کچھ لمحے زندہ رہنے کی صورت میں حد اور قصاص میں قتل ہونے والے بھی اس میں نکلا داخل (۲) باغیوں اور ڈاکوؤں کی نماز جنازہ نہیں۔

۳۶۔ کعبہ مکرمہ کے اندر نماز پڑھنے اور پھر اس میں اقتداء کی کیا کیا صورتیں ہیں نیز یہ بتائیں کہ کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے یا نہیں اور اس کا حکم کیا ہے۔